

**THE BOOK WAS
DRENCHED**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188561

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۵۳۵۲ Accession No. ۹۲۳۸

Author سین کارا دیبیلین

Title

مارکوسس کا رنوراں

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلسلہ شریعت اسلامیہ جلد چہارم

ہند کے حکمراں

(رولز آف انڈیا)

مارکوئیس کارنوالس

اور برطانوی حکومت کا استحکام
ڈبلیو ایس، سیٹن کار کی تصنیف کا اردو ترجمہ

محمد عبدالستار صاحب ایم، اے - ایم، آراے، ایس (لندن)

رکن مرشدہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ

۱۳۵۱ھ م - ۱۳۴۱ھ م - ۱۹۳۲ء

طبع خانہ عظیمیہ کتب خانہ دارالاحیاء

یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی اجازت سے
جس کو حق اشاعت حاصل ہے اور دوسرے ترجمہ کر کے
طبع و شایع کی گئی ہے

فہرستِ مضامین

لارڈ کارنوالس

صفحہ	مضمون
۱۱ تا ۱۳	پہلا باب - اوائل زندگی و تہیم امریکہ
۱۲ تا ۲۲	دوسرا باب - ہندوستان کی سیاسی حالت - بندوبست و الگزارى
۴۵ تا ۵۶	تیسرا باب - اصول و نتائج
۵۷ تا ۷۸	چوتھا باب - سیول سروس کی اصلاح
۷۹ تا ۹۲	پانچواں باب - خانگی زندگی اور اجتماعی رسم و رواج
۹۵ تا ۱۰۹	چھٹا باب - بنارس کا دوائی بندوبست
۱۱۰ تا ۱۲۳	ساتواں باب - مدراس - قوانین بیج - ضبطیاں
۱۲۳ تا ۱۳۳	اٹھواں باب - سفارت پر بر اعظم (یورپ) کی جانب روانگی - مراسلات ہند
۱۳۴ تا ۱۴۰	نواں باب - صلح ایمینیز
۱۴۱ تا ۱۵۶	دسواں باب - ہندوستان کو مراجعت - حکمتِ عملی اور وفات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لارڈ کارنوالس

پہلا باب

اوائل زندگی و مہم امریکہ

مسٹر اس کا یہ کہنا درست ہے کہ آئرلینڈ میں کارنوالس کا خاندان کسی حد تک با وقعت تھا جیسا کہ خاندانی وثیقوں سے بھی ظاہر ہے۔ اس خاندان سے انگلستان کے سربراہ اور وہ لوگوں میں سب سے پہلے وثوق کے ساتھ جس کا ذکر ہم سنتے ہیں وہ تھامس کارنوالس ہے جو شہزادہ میں لندن کا شیراز (ناظم ضلع) مقرر ہوا تھا۔ اس نے ضلع سٹفوک (Suffolk) میں جائیداد حاصل کی اور اس کے بیٹے اور پوتے نے پارلیمنٹ میں اس ضلع کی نمایندگی کی۔ اس کے جانشینوں میں سے ایک نے ویاٹ (Wyatt) کی بغاوت فرو کرنے میں مدد دی جس کے صلے میں اسے نگرانہ دار محل شاہی کا عہدہ

دیگیا۔ چارلس اول نے خزانہ دار کے پوتے کو بیرن کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اس نے بادشاہ کی طرف داری اختیار کی اور بڑا عظم دیورپ ہنک چارلس دوم کا ساتھ دیا۔ اس کے عودِ شاہی کے بعد سرفریڈرک سلسلہ میں بیرن کارنوالس بن گیا۔ مشہور ہے کہ اس خطاب کے پانے والوں میں سے تیسرے شخص نے اپنی اسکاٹ (Anne Scott) سے جو مانٹھ (Monmouth) کی بیوہ اور بکلیو (Buckleugh) کی ڈچر تھی شاہ کی پانچواں بیرن جو ٹرنٹ (Trent) کے جنوب میں ایری (Eyre) کا چیف جسٹس اور ٹور (Tower) کا کانسٹیبل تھا جون سلسلہ میں ارل کارنوالس اور وائیکونٹ بروم (Viscount Brome) کے اعزاز سے ممتاز ہوا۔ اس کا بیٹا جو ۳۱ دسمبر ۱۶۳۷ء کو پیدا ہوا موجودہ داستان کا موضوع ہے۔

چارلس دارل ثانی اور مارکوئیس کارنوالس اول کی تعلیم اٹن (Eton) میں ہوئی اور زمانے کے رسم و رواج کے مطابق وہ اٹھارہ سال کی عمر میں فوج میں داخل ہوا۔ عیسائی وہ فن کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے باہر بھیجا گیا چنانچہ وہ ٹورن (Turin) کی فوجی درس گاہ میں شریک ہو گیا۔ یہاں اس کی زندگی کے متعلق کئی دل چسپ قصے پڑھتے ہیں ایک افسر کپٹن ڈی روگن (Captain De Roguin) کے خطوط میں پائے جاتے ہیں جو اس نوجوان انگریز کا ہم سفر اور معلم بیان کیا جاتا ہے۔ درس گاہ کے انتظام تعلیم و تربیت میں جائز طور پر سختی کی جاتی تھی۔ لارڈ بروم نے جرمانی زبان کی تحصیل اور گھوڑے کی سواری کی تعلیم کے ساتھ ساتھ رقص اور شمشیر زنی سیکھنے میں اپنا وقت صرف کیا اور ان سے رخصت ہو کر وہ جسمانی کے چند درباروں میں حاضر ہوا۔ لارڈ گران بی (Granby) کے اسٹاف کا شریک عمل رہا اور بڑا عظم کی کئی لڑائیوں میں بشمول جنگ منڈن (Minden) موجود رہا۔ سلسلہ میں وہ بہ حیثیت رکن آئی (Eye) پارلیمنٹ میں داخل ہوا لیکن دو سال کے اندر ہی سلسلہ میں اپنے باپ کی وفات پر ارل بن گیا۔

اس وقت تک ارل کارنوالس کے دور میں کوئی غیر معمولی باشت وقوع پذیر نہ ہوئی تھی۔ اس نے ایک عام مدر سے میں تعلیم پائی تھی۔ غیر ممالک کی سیاحت

سے اس کے دل و دماغ میں ترقی اور مذاق میں وسعت پیدا ہو گئی تھی۔ منڈن (Minden) کیلینا (Labinau) اور فرانسیسیوں کے خلاف دوسری چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں اس کو ملازمت کی سختی کا کچھ تجربہ ہو چکا تھا۔ گھرواپس آنے کے بعد فوجی زندگی بجانب اس نے اپنی توجہ جاری رکھی اور وہ اپنی جھٹ کے ساتھ ڈبلن (Dublin) ڈربی (Derby) گلوکسٹر (Gloucester) اور جبرالٹر (Gibraltar) کے مقامات پر متعین کیا گیا۔ جولائی ۱۷۹۴ء میں اس نے پیدل سپاہ محافظ کی تیسری رجمنٹ کے کرنیل جونس (Colonel Jones) کی بیٹی جیمنا نامی کے ساتھ شادی کر لی۔ دارالامرا میں وہ ہر موقع پر موجود رہتا تھا جہاں وہ بالعموم لارڈ شلبرن (Shelburne) (جو بعد کو لارڈ لینسڈون اول کہلایا) اور ارل ٹمپل (Temple) کی تائید میں رائے دیتا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس کے پیش روؤں کے مصلحت آمیز خیالات کے باوجود وہ امریکہ کی نوآبادیوں کے محصول کی تجویز کا مستقل طور پر مخالفت بنا رہا اگرچہ وہ مختلف وزارتیں عہدوں پر مامور رہا لیکن اس نے ایک سے زیادہ مواقع پر وزارت حالیہ کے خلاف اپنی رائے دی۔ ۱۷۹۵ء میں جونیس (Junius) نے اس پر سخت لعنت ملامت کی اور اس زہرا لگنے والے مصنف نے اس کی جانب یہ ارادہ منسوب کیا کہ وہ اپنی شہرت کو دوبارہ حاصل کرنے کی امید میں برضا و رغبت جلا وطن ہو رہا ہے۔

اس حملے کا مدار جونیس کے بہت سے اور الزامات کی بہ نسبت زیادہ تر صدائے کی بنیاد پر نہیں ہے لیکن زندگی عامہ سے کنارہ کش ہو کر معاشری جلاوطنی اختیار کرنے کی بجائے اس وقت سے کارنوالس کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ امریکہ ہندوستان آئرلینڈ اور برطانیہ عظمیٰ (یورپ) سے متعلق اہم ترین امور میں لازماً نمایاں طور پر شرکت کرے۔ علاؤ اس کی پہلک زندگی چار حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ وہ شاہی فوجوں کے ایک دستے کا کمانڈر رہا۔ امریکہ کی حکومت خود اختیاری کی جنگ میں بڑی خدمت انجام دی۔ ہندوستان میں گورنر جنرل اور سپہ سالار کے عہدوں پر اولاً ستمبر ۱۷۹۵ء سے اکتوبر ۱۷۹۳ء تک اور پھر جولائی ۱۷۹۵ء سے اکتوبر ۱۷۹۵ء تک مامور رہا۔ جن ۱۷۹۵ء اور مئی ۱۷۹۵ء کے مابین تقریباً تین سال تک آئرلینڈ میں لارڈ ٹرنسٹ اور سپہ سالار

ہندوں پر تیار تھا۔ ایمنسٹر (Amiens) کی صلح کا معاملہ اسی نے طے کیا تھا۔ اس داستان کا منشا یہ ہے کہ ہندوستان کے ایک حکمران کی حیثیت سے لارڈ کارنوالس کے عادات و اطوار اور تجاویز و مقاصد بیان کیے جائیں۔ نیز ان تاریخی واقعات کو اس حد تک دیکھا جائے جہاں تک کہ ان کا تعلق اس کا کیرکڑ سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ جس لڑائی میں امریکہ کی نوآبادیاں ہمارے قبضے سے نکل گئیں اور جو حالت اس صدی کے شروع میں آئرلینڈ کی تھی اور فرانسیسیوں کی وہ لڑائی جو امینسٹر کی چند روزہ صلح پر ختم ہوئی ان سب چیزوں سے زیادہ تر انگریز ایسے ہیں جو خاص واقفیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مملکت ہند کے نظم و نسق کے بارے میں ان دو مسلسل لڑائیوں کے تفصیل از تذکرے کی ضرورت نہیں ہے جو بیہو سلطان کے خلاف کی گئیں لیکن وہ اہم اصلاحیں جو لارڈ کارنوالس نے ہندوستان میں جاری کیں ایک طویل بیان کی محتاج ہیں۔ عموماً ایسے واقعات یا حکایات نظر انداز نہ ہوں گے جن کی بدولت اس مدبر کو خواہ سپاہی کی طرح ہو یا ناظم ملکی کی حیثیت سے تاریخ میں موزون جگہ کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔

ششہ کے آغاز میں کارنوالس کو جو اس وقت تک لفٹنٹ جنرل کا عہدہ حاصل کر چکا تھا امریکہ میں انگریزی فوج کے ایک دستے کی قیادت کا حکم ملا۔ اس نے وزارت یا حکومت وقت سے اختلاف کر کے نفس معاملہ پر افسوس کا اظہار کیا تھا مگر فوجی فرائض کے جذبے کے تحت خدمت قبول کر لی۔ اس کے دو سال بعد کارنوالس کو ہم انگلستان میں دیکھتے ہیں۔ اپریل ۱۷۹۷ء میں وہ امریکہ واپس گیا لیکن پھر گھڑ آیا اور فوج کی کمان چھوڑ دی۔ یہ غلطی اس خیال راسخ کی بنا پر نہیں تھی کہ جنگ میں کوئی ناشائستگی یا ناانصافی ہوئی بلکہ اس کی وجہ لیڈی کارنوالس کی بیماری تھی جو اپنے شوہر کی غیر حاضری میں لاغر ہو کر ۴۴ فروری ۱۷۹۷ء کو اپنے خاندانی مقام کلفورڈ (Culford) میں انتقال کر گئی۔

اس اندوہ گیس حادثے کے بعد کارنوالس نے فوجی ملازمت میں دوبارہ داخل ہونے کا قطعی فیصلہ کر لیا اور پھر امریکہ میں بمقام یارک ٹون ہتیار ڈالنے

کے وقت تک متعین رہا۔ سر جان کیئی (Sir John Kaye) کی یہ رائے ہے کہ امریکہ میں ہماری کامیابی کے متعلق کارنوالس کی آمد سے قبل ہی مایوسی ہو گئی تھی اور مطلع امید اور بھی زیادہ تاریک ہو گیا جب کہ فوج کی خاص کمان سرولیم ہو (Sir William Howe) کے جانشین سر ہنری کلنٹن (Sir Henry Clinton) کے حوالے کی گئی۔ لارڈ اسٹان ہوپ (Lord Stanhope) کے خیال کے مطابق اگر کلائیو نہ ہوتا تو ہم بنگال میں اپنی حکومت کی بنیادیں نہیں رکھ سکتے تھے۔ مورخ کا یہ بیان ہے کہ اگر کلائیو زندہ ہوتا تو امریکہ کی نوآبادیاں ہمارے قبضے سے نہ نکلتیں یا کم از کم ان کی مختاری کسی دو سرے طریقے پر حاصل کی جاتی۔ جہاں یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ امریکہ میں ہماری پشت پر کوئی باکمال سپہ سالار نہ تھا وہاں یہ بتانا مناسب ہے کہ کارنوالس نے خوبی کے ساتھ کم از کم تین مواقع پر مقابلہ کر کے نوآبادیوں کو شکست دی۔

جب انگریزی فوجوں نے کچھ تو مال و اسباب مگر اس سے زیادہ عزت و آبرو کمور فلاڈیلفیا (Philadelphia) کا تھلیہ کر دیا تو کارنوالس نے پہلے ہی ممر کے میں امریکیوں کو پسپا کر دیا جو اس کی فوج کے عقبی حصے کو نقصان عظیم کے ساتھ محصور کر رہے تھے۔ چارلٹن کے محاصرے میں فوج کا جو دستہ قلعے پر حملہ کر رہا تھا اس میں وہ رضا کار کی حیثیت سے حملہ آوروں میں شریک ہو گیا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایک فوجی افسر کو جس کے پاس فوج کی کمان ہو ایسا کرنا زیانہ تھا تو اس کی ایک اور مثال بھی موجود ہے چنانچہ ہندوستان میں سرجیس اوٹ رام (Sir James Outram) غدر کے زمانے میں جنرل ہیولک (General Havelock) کو اپنی کمان سپرد کر کے خود اس رضا کار رسالے کے دھاوے میں جو لکھنؤ کو باغیوں سے بچانے کے لیے کیا گیا شریک ہو گیا تھا۔ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء کو چارلٹن سے کیمنڈن (Camden) اور روگی ملز (Rugeley Mills) کو تیزی کے ساتھ کوچ کر کے اس نے جنرل گٹس (General Gates) کی فوج کو شکست فاش دی۔ ایک افسر کے نام وہ اپنے خط میں بیان کرتا ہے کہ ایک ہزار سے زیادہ مقتول اور زخمی ہوئے اور تقریباً آٹھ سو قیدی بنائے گئے۔ آٹھ تھیل کی توہیں جو دشمن کے

پاس میدان جنگ میں تھیں، اسباب حرب کی تمام گاڑیاں ہاتھیاروں کی ایک بڑی تعداد اور ایک سو گنت بار برداری کی گاڑیاں یہ تمام چیزیں ہمارے قبضے میں آگئی ہیں۔ مختصر یہ کہ ایسی مکمل فتح کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

جیسا کہ ایک سے زیادہ مورخوں نے بیان کیا ہے بد قسمتی سے ان عارضی کامیابیوں کا سلسلہ ٹھیک طور پر کبھی جاری نہ رہا۔ ہماری نقل و حرکت میں سواری کی قلت اور رسد رسانی کی بد انتظامی کے باعث رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں۔ انگریزی فوج اگرچہ تعداد میں اپنے دشمن سے زیادہ تھی لیکن اس کی تنظیم کبھی پایہ استحکام کو نہیں پہنچی۔ علاوہ بریں کارنوالس تو کامیاب رہا لیکن جو دسے دورے افسروں کی کمان میں تھے وہ نوآبادیوں سے شکست کھاتے رہے شاہ پند جماعت اور اس کی جمع شدہ فوج ان چھوٹی چھوٹی مسلسل ناکامیوں سے پست ہمت اور شکستہ دل ہو گئی۔ اگرچہ سنہ ۱۷۷۷ء کی ہم مجموعی حیثیت سے شاہ پند جماعت کے لیے امید افزا تھی لیکن کرنیل ٹارلٹن (Colonel Tarleton) نے کاؤپنس (Cowpens) پر ایک ایسی ہزیمت اٹھائی جو محاصرہ ساراٹوگا (Saratoga) کے بعد عظیم ترین مصیبت بیان کی گئی ہے۔ اس شکست کے نقصان کی تلافی کے لیے جو کچھ ہو سکتا تھا وہ کارنوالس نے کیا۔

بمقام گلڈ فورڈ (Guildford) اس نے جنرل گرین (General Greene) پر حملہ کیا جس کے زیر کمان تقریباً چھ ہزار سپاہ کی ایک فوج تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ اگرچہ کارنوالس نے اس افسر کو شکست دی اور اس کی توپ پر قبضہ کر لیا لیکن یہاں پھر سامان رسد کی قلت، اہل ملک کی بے رخی اور شاہ پند جماعت کی بزدلی نے فوجی کارروائیوں کو کمزور کر دیا۔ اگرچہ حملہ مذکور کے متعلق امریکہ کے مورخوں کو اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ بوجہ خوبی تنظیم، برطانوی افواج کے استقلال کی ایک نمایاں مثال ہے اور ایک انگریز مورخ اسے کریسی (Cressy)، پوائیئیرس (Poitiers) اور جین کوکرت (Agincourt) کے لگ بھگ بتاتا ہے لیکن وہ محض ایک ظاہری کامیابی تھی حقیقت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے امریکیوں کی بہ نسبت انگریزوں پر

زیادہ نقصان عاید ہوا۔

• کارنوالس جو گلفورڈ کی لڑائی میں زخمی ہو چکا تھا پھر شمالی کارولینا (North Carolina) سے ہوتے ہوئے ورجینیا (Virginia) روانہ ہوا اور دریائے یارک کے متصل یارک (York) اور گلوسٹر (Gloucester) میں قیام کیا۔ یہ امر مشکل ہے کہ یارک ٹون کی حوالگی کا الزام کس کے سر رکھا جائے۔ سپہ سالار فوج نے بعد کو اس بات کے ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اس کے نزدیک ورجینیا کے صوبوں میں کارنوالس کی روانگی مناسب نہیں تھی لیکن یہ بالکل واضح ہے کہ اس نے کارنوالس کو مدافعت پر کاربند ہونے اور کسی موزوں جگہ مورچہ بندی کرنے کا حکم دیا تھا۔ کارنوالس کو بھی برطانوی بیڑے کی کمک اور سہارے کی کچھ اُمید تھی لیکن ہمت کے ساتھ موثر طریقے پر کچھ بھی نہیں کیا گیا اور جب سپاہیوں، جنگی ساز و سامان، توپ خانے اور انجینیئروں کے ساتھ امریکہ اور فرانس کی زبردست فوجوں نے انگریزی فوجوں کا محاصرہ کر لیا تو کمان دار کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی جگہ سے دست بردار ہوتا یا کوشش کر کے غنیم کے لشکر کو چھوڑتا ہوا نکل جاتا۔ جب دوسری صورت بے سود ثابت ہوئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ نیکی ماندی فوج مغلوب ہو گئی اور دشمن نے قلعے کو مساکر کر دیا۔

اس واقعے نے علی طور پر لڑائی کا خاتمہ کر دیا۔ کارنوالس تقریباً بن ہینے تک اسیر جنگ رہا اور انگلستان جانے کی اسے اقرار دیا۔ عند الطلب، پر اجازت ملی۔ یہ خوشگوار امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کارنوالس اپنے خطوط میں شکر گزاری اور نیک نیتی سے تملطف آمیز اور اخلاقی تاؤ کا ذکر کرتا ہے جو فرانسیسی افسروں نے اس کے نسبت دوسروں کے ساتھ کیا۔ آخر کار ایک اعلیٰ رتبہ امریکن قیدی کرنل لارنس (Colonel Laurens) بطور معاوضہ رہائی سے متعلق طویل و تکلیف دہ خط و کتابت کے بعد ۱۷۸۳ء کے آغاز میں کارنوالس کو پابندی اقرار سے بری کر دیا گیا۔

ان متعدد رسائل و خطوط کی تشریح کے بغیر، جن میں ہماری ناکامی کا پوری

پر ایک سخت و تلخ بحث کی گئی تھی کارنوالس کے اوصاف کا ایک فوجی شخص اور شکر ساز کی حیثیت سے اندازہ کرنا بخوبی ممکن ہے۔ اس امر کا تو فوراً اعتراض ہو سکتا ہے کہ کارنوالس میں زود رسی اور تیز نظری کی خصوصیتیں جو میدان جنگ میں بڑے بڑے سرداروں کو ممتاز بناتی ہیں موجود نہیں تھیں لیکن خیال کرنے کی معقول وجہ ہے کہ ایک اعلیٰ سپہ سالار کے تحت اگر کارنوالس کو کسی دستہ فوج کا سردار بنا کر کوئی خاص اتحاد و عمل میں لانے یا کسی خاص سمت کا فیصلہ کرنے کے ساتھ فوجی کارروائی کرنے کے لیے بھیجا جاتا تو وہ ایک اعلیٰ فوجی امتیاز حاصل کرتا۔

کارنوالس نے عہد تسلیم پائی تھی وہ ایک اچھا قواعداں تھا وہ جانتا تھا کہ کب اور کس طرح سختی کرنی چاہیے۔ کسی ہم کو جاری رکھنے کا ایک واضح خاکہ اس نے بنالیا تھا۔ سرہنری کلنٹن نے دشمن کو مطیع کرنے کے لیے نامناسب تدابیر کی تائید کر کے اپنی ناقابلیت کا اظہار کیا۔ کارنوالس کا بیان ہے کہ وہ ملک میں مہموں کی دیکھ بھال کرنے سے بالکل سبزار تھا۔ وہ اپنے سپہ سالار سے ذکر کرتا ہے کہ جنگ کو عزت و آبرو کے ساتھ اپنے قابو میں رکھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے محدودے چند ہی مقامات پر جاری رکھا جائے اور جہاں کہیں شاہی افواج ہوں انہیں ایک پرمشکوہ قوت کے ساتھ رہنا چاہیے۔ وہ صرف ورجینیا میں حملہ آوری کی کارروائی کے موافق تھا۔ اس کو فلاڈیلفیا میں مال و اسباب اور جائیداد کی بربادی سے فائدے کی کوئی جھلک دکھائی نہ دی۔ اس نے اس کوشش کو فضول خیال کیا کہ ایک مضرت دلدل کو دفاعی اغراض کے لیے مرکز قرار دیا جائے جس پر دشمن سمندر کی چند روزہ برتری کے ساتھ فوراً قابض ہو سکتا ہے۔ فی الحقیقت وہ ایک ایسے صوبے میں فوجی کارروائیوں پر اپنی مساعی کو مرکوز دیکھنا چاہتا تھا جہاں ایک فیصلہ کن فتح سے اس کے دشمنوں کی شکست فاش یقینی ہو۔ یارک ٹون کی حوائج سے پہلے کسی وقت چار اہم صوبوں پر ہمارا پورا قبضہ تھا اور اس وقت ایک دوسری ریاست ورمونٹ (Vermont) کی جانب سے کینیڈا (Canada)

کے ساتھ الحاق کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔ اس موقع پر ہماری شاہ پسند جماعت مایوس نہیں ہوئی تھی اور امریکہ والوں کا روپیہ اور رسد کی قلت کے باعث بڑا حال ہو گیا تھا۔

بہر کیف چند ہی سال کی مدت میں کارنوالس کو اپنے علم و تجربے کے انجھار کے لیے ایک بالکل مختلف میدان میں داخل ہونا تھا جہاں کہ اُسے کسی عہدہ دار بالا کی ناقابلیت کے باعث کوئی الجھن نہ ہو سکے یا بقول گبن (Gibbon) جہاں علم و فہر وزارت یا فوجی و دیوانی حکومت ایک ہی شخص کے قبضے میں دی جائے۔ ہمارے یہاں خود کارنوالس کا مستند بیان موجود ہے کہ مئی ۱۷۸۳ء میں لارڈ شلبرن (Shelburne) نے اس کے لیے یہ تجویز کی کہ وہ گورنر جنرل اور سپہ سالار کی حیثیت سے ہندوستان جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یارک ٹون کی تباہی کے باوجود کارنوالس پر اعلیٰ درجہ کا اعتماد تھا اور وہ اہم اور معتبر امور کی انجام دہی کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ بالیں ہمہ قریب قریب اسی زمانے میں ہم کارنوالس کو یہ شکایت کرتے ہوئے پاتے ہیں کہ بادشاہ اور مسٹر پیٹ (Mr. Pitt) نے اس کے ساتھ بہت بد سلوکی کی اور یہ کہ ان دو بڑی شخصیتوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ اسے تحقیق آمیز و مضحکہ انگیز شکل میں دنیا کے پردے پر ظاہر کیا جائے۔

خط و کتابت کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کارنوالس کو نظم و نسق کا کام سپرد کرنے کے متعلق جو معاہدے ہوئے تھے وہ انصاف اور دقت نظر کے ساتھ عمل میں نہیں لائے گئے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ کارنوالس اپنے ہندوستان جانے کی تحریک پر غور و غوض کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچا کہ وہاں جنگی اور سپاہیانہ شہرت حاصل کرنے کا کوئی میدان نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ امریکہ کی تاکامیوں کے خیال نے اُسے گمراہ کر دیا ہو اور حالیہ شکست اور حیدر علی کے ہاتھ ہمارے عہدہ داروں کی گرفتاری نے پلاسی (Plassey) اور بکسر (Baxar) کی لڑائیوں کی یاد کو اس کے دل سے بھٹا دیا ہو۔

کارنوالس، کرنیل راس (Colonel Ross) سے اپنی پیش منینوں کا جو خوب ہوا کہ پوری نہ ہوئیں اس طرح ذکر کرتا ہے کہ ”میں اپنے بچوں اور اپنے ملک کے آرام کو چھوڑنا اور صدر حکومت ہند سے خواہ وہ کیسی ہی ہو برسرِ پیکار ہونا نہیں چاہتا۔ یہ معلوم کر کے کہ فوج کی تربیت اور خرابیوں کی اصلاح کی قوت مجھ میں موجود نہیں ہے کسی نواب کے مقابلے میں انجام کار شکست کھا کر ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو جانا مجھے گوارا نہیں، کارنوالس کو شاید ان تکلیف دہ تنازعات کا خیال بندھا رہتا تھا جو ہسٹنگز (Hastings) اور فرانس (Francis) کے مابین ہوئے نیز اس اجتناب کا جو گورنر جنرل کی مجلس اعلیٰ کے دوسرے ارکان کی جانب سے ظاہر ہوا۔

جون ۱۷۸۱ء میں ایک صریح اطلاع یہ آئی کہ وزرا کارنوالس کو گورنر جنرل اور سپہ سالار کی دونوں خدمتیں دینے کا قصد رکھتے ہیں چنانچہ فروری ۱۷۸۱ء میں تشدد کے ساتھ جیسا کہ اس کا بیان ہے گورنر جنرل کی خدمت قبول کرنے کے لیے اُسے کہا گیا۔ اس تجویز سے چوبیس گھنٹوں کے غور و خوض کے بعد حسنِ اطلاق کے ساتھ اس نے انکار کیا۔ اس خیال کی گنجائش تھی کہ یہ انکار اسی قسم کی گفتگو کی تجدید میں مانع ہوتا مگر دوسرے سال کارنوالس ان مطالبات کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوا جو امریکہ کی شاہ پسند جماعت نے اپنی مرضی سے پیش کیے تھے اور ہماری بندرگاہوں کے استحکام کے لیے اُس بورڈ یا اسپیشل کمیشن کی کارروائی میں بھی محو ہو گیا جس کا وہ ایک رکن دوسرے مشہور بحری اور فوجی افسروں کے ساتھ بتایا گیا تھا۔ اسی سال وہ برلن کو پروشیا کی سپاہ کے معاون کے لیے بھیجا گیا جہاں فریڈرک اعظم کسی قدر خلق سے اس کے ساتھ پیش آیا گو یہ بات علانیہ طور پر ایک خط موسومہ کرنیل راس میں ظاہر کی گئی ہے کہ بادشاہ نے لافیتے (La Fayette) کو نمایاں ترجیح دی۔ جب بڑا عظم کی ریاستوں کے باہم دگر اور انگلستان کے ساتھ سیاسی تعلقات پر فریڈرک کی رائے پیش نظر ہوئی ہے تو بادشاہ اور انگریز سپہ سالار کی باہمی گفتگو جس کا حوالہ کارنوالس کی خط و کتابت میں موجود ہے بہت عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے۔

۱۷۸۱ء کے آغاز کی وجہ جو کارنوالس کے سوانح خطوط (Cornwallis's Life and Letters)

میں صاف طور پر نہیں بتائی گئی ہے ہندوستان کی خدمت کے لیے کارنوالس کو پھر کہا گیا اور دلی محزن و طلال کے ساتھ جیسا کہ وہ کہتا ہے اس نے اپنے تقرر کو قبول کیا۔ مئی میں جہاز پر سوار ہوا اور اسی سال ستمبر کے مہینے میں کلکتہ پہنچا۔ مشرق کی جانب کارنوالس کی روانگی کے بعد ایک ایسے مسودہ قانون پر شاہی منظوری ہو گئی جس کو خود اس نے ان تجاویز کے ساتھ پسند کیا تھا کہ مسئلہ کی انڈیا بل کے تحت گورنر جنرل کے اختیارات وسیع کیے جائیں اور اسے نہایت واجبی طور پر مجلس عالی کے کامل اتفاق رائے کے بغیر بلکہ مجلس مذکورہ کی مخالفت کے باوجود نازک موقعوں پر اختیار مطلق سے کام لینے کا مجاز کیا جائے۔



دوسرا باب

ہندوستان کی سیاسی حالت - بندوبستِ مالگزاری

جدید گورنر جنرل کی حکمت عملی اس کی ذمہ داریوں اور اختیارات کو بخوبی سمجھنے کے لیے اس موقع پر برطانوی ہند کی سیاسی حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کرنا شاید بیجا نہ ہو گا۔

ہم نے بنگال اور بہار کے تین صوبے نیز اوڑیسے کا کچھ حصہ حاصل کر کے اصولی طور پر ان کا انتظام شروع کر دیا تھا۔ مرہٹوں کے چھ بڑے خاندان وسیع علاقوں اور منظم فوجوں کے ساتھ اس وقت تک مختار تھے۔ لکھنؤ اور حیدرآباد میں ملک کے بڑے بڑے حصوں پر مسلمان صوبہ داروں کی حکومت تھی۔ کرناٹک اور فرخ آباد میں کم درجے کے نواب اور ٹرانکوڑ اور بنجور میں ہندو راجا حکمران تھے جو حلیف کی حیثیت سے کسی وقت بھی حمایت اور کمک طلب کر سکتے تھے بشرطیکہ دشمنوں کی مانند وہ تکلیف دہ نہ رہے ہوں۔ بیٹی کا احاطہ بڑا عظیم کے

دو جزیروں اور چند ایسے ضلعوں پر مشتمل تھا جنہیں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی۔ مدراس کا رقبہ بہت وسیع تھا لیکن ہندوستان کے زیادہ تر حصے پر قدیم اور جدید خاندان، نیز گم نامی، نااہلی اور ناقابلیت کے اعتبار سے ہر قسم کے فرماں روا اس وقت تک برسر حکومت تھے اور ان کے نمائندے ہر وقت مکر بہتہ رہتے تھے کہ سلطنت مغلیہ کے کچھ حصے پر قابض ہو جائیں۔ یہ سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں صرف ڈیڑھ صدی تک قائم رہی تھی اور اس پر اس کا شیرازہ بکھڑ رہا تھا۔

قبل اس کے کہ ملکی انتظام کے متعلق کارنوالس کی جاری کردہ اصلاحات میں سے کسی کا ذکر کیا جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دو حصوں کے انجام کو مختصر بیان کیا جائے جو ہمارے سب سے زیادہ سخت اور زبردست دشمن ٹیپو سلطان کے خلاف سر کی گئیں۔ یہ حیدر علی کا بیٹا تھا جو میسور کے قدیم ہندو راجوں کو محروم کر کے سرنگاپٹم پر حکومت کر رہا تھا۔ مدراس کے سپہ سالار اعظم جنرل میڈوز (General Medows) کی قیادت میں لڑائی شروع ہوئی۔ ٹیپو نے بلاوجہ ہمارے حلیف ٹرانکور کے راجہ پر حملہ کیا تھا اور سپہ سالار ٹیپو کا یہ ارادہ تھا کہ حضور نظام اور شاہ کے ساتھ متحد ہو کر سلطان کی خبر لی جائے۔ لیکن یہ امر جلد واضح ہو گیا کہ میڈوز میں باوجود ایک بہادری و تجربہ کار اور بلند ہمت افسر ہونے کے سپہ سالاری کے ایسے اوصاف موجود نہیں تھے جو ایک دشوار گزار ملک میں ایک ہوشیار اور محتاط دشمن کے مقابلے میں یقینی کامیابی کے حامل ہوتے ہیں۔ مزید برآں رسد وغیرہ کی قلت سے بھی ہماری فوج کا بُرا حال تھا۔ خزانہ خالی تھا۔ مدراس کی سیول حکومت نااہل تھی۔ منسلک کے اختتام پر گورنر جنرل کارنوالس نے اپنے موقتی اختیارات سے کام لیا اور عملی طور پر میدان جنگ میں فوج کی کمان خود لے لی۔

یہ بات میڈوز کے لیے قابل تعریف ہے کہ اس نے اپنے منزل پر بعض وعداوت کا اظہار نہیں کیا بلکہ ہنایت غلوں اور وفاداری کے ساتھ وہ کارنوالس کے احکام پر عمل پیرا رہا۔ مارچ ۱۷۹۹ء میں بنگلور پر حملہ کیا گیا۔

ٹیپو نے سرنگاپٹیم کی طرف مراجعت کی۔ کارنوالس نے اس کا تعاقب کیا۔ شہر سے دس میل کے فاصلے پر اگرچہ کارنوالس نے دشمن کا مقابلہ کر کے کی فوج کو منتشر کر دیا تاہم توپوں اور سامان جنگ کی قلت کے باوجود اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کر سکا اور بنگلور واپس ہونے مجبور ہو گیا۔

اس مراجعت کے آفت خیز حالات بہت مشہور ہیں ۱۱ متعدد مورخین نے انہیں بیان کیا ہے۔ ٹیپو نے ہماری تمام کارروائیوں سے فواقعت حاصل کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ برخلاف اس کے جس اُس کی نقل و حرکت کا بہت تم علم تھا۔ ہمیں توپوں کو مٹی میں چھپا کر بار برداری کا بھاری سامان چھوڑ دینا پڑا۔ بیماروں اور زخمیوں کو ہندوستانی رسالے کے گھوڑوں کے ذریعے منتقل کیا گیا۔ اس سال کے دوران میں پھر کوئی جنگی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ کارنوالس نے اپنے بیٹے لارڈ بروم (Lord Brome) کو لکھا کہ وضعی کے ساتھ ساتھ وجمع المقاصل کے عارضے میں مبتلا ہو رہا ہوں اور ہمت و حوصلہ کچھ بھی باقی ہے تاہم اُسے امید تھی کہ وہ ٹیپو کو گفت و شنید کے ذریعے یا اس کے وارڈ پر حملہ کر کے شرائط صلح پر آمادہ کر لے گا اور اسی سبب سے اس نے مجبوراً کے قبل ہندوستان سے رخصت ہونے کا خیال نہیں کیا تھا۔ تاہم اس کے گورنر جنرل نے اپنے بھائی لیچ فیلڈ (Lichfield) کے استعف کے نام ایک خط میں حیرت کا اس طرح اظہار کیا کہ کوئی معمولی سمجھ کا آدمی کبھی یہ قیاس نہیں کرے کہ لڑائی سے گریز ہو سکتا تھا۔ حقیقت میں ان الفاظ کے بموجب جو اس نے ہنری ڈنڈاس (Henry Dundas) کو لکھے تھے لڑائی کی واقعی سخت ضرورت تھی اور اس بات کا علم تعجب کے قابل نہیں ہے کہ دونوں ایوانوں میں مخالفت جماعت نے جنگ میسور کے متعلق جو حملہ کیا تھا وہ کلیتہً ناکام نہ رہا بلکہ یہ کہ اُسے جنگ کی معقولیت پر رائے پسندیدگی کے اظہار سے حقیقت بدل دیا گیا۔

۱۲۹۱ء کے اختتام پر جنگی تیاریاں کچھ جوش و خروش کے ساتھ

دوبارہ شروع کی گئیں بیون درگ (Sevendroog or Savandrug) کا قلعہ جسے گرنیل یول (Colonel Yule) نے میسور کا ایک مشہور دہری پہاڑی کا قلعہ بتایا ہے اور جو سنگ خارا کی دو چوٹیوں والی بے درخت چٹان پر واقع ہے اور جس کی نسبت مدت تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ دیوار بر جڑ لکھ یا توپ خانے کے ذریعے سے فتح نہیں ہو سکتا ستمبر کے آخر میں مسخر ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی تین اور قلعوں کا محاصرہ عمل میں آیا۔ برطانوی فوج کو لکھ پنچ علی تھی۔ ہندوستانی سوداگروں نے غلے کے وافر ذخیرے جمع کر لیے تھے۔ کارنوالس نے نواب نظام الملک کے فرزند کے زیرِ کمان ایک بڑی فوج اور مرہٹوں کے ایک چھوٹے رسالے کی متحدہ امداد سے دشمن کے مورچہ بند لشکر کورات کے ایک حملے میں مغلوب کر لیا جس میں وہ خود زخمی ہوا۔ ٹیپو کو دریائے کاویری کے شمال کی جانب تمام چھاؤنیوں کے تخیلے پر مجبور کیا اور انجام کار وہ شہر کے محاصرے پر قابو پا گیا۔ اس مسلمان غاصب کی آخری شکست ایک ایسے مذہب پر موقوف تھی جس نے اپنی حیرت انگیز قوت اور دور بینی کی بدولت ہندوستان کو ایک بہتر انتظامی حالت میں دیکھا اور جسے اعلیٰ درجے کے سیاست دانوں اور عہدہ داروں کی مدد حاصل تھی۔ لیکن کارنوالس کی دونوں مہموں کا خاتمہ ایک حقیقی کامیابی کہلانے کا مستحق ہے۔

ہندوستانی حلیف جن کے متعلق بعد کو یہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ٹیپو سے خفیہ مراسلت کر چکے تھے صلح کی طویل گفت و شنید کو انگریز سپاہی اور مدبر کے پاس میں چھوڑنے پر قانع تھے۔ ملک کا کچھ حصہ انگریزوں کو ملا۔ ایک بڑی رقم تھانوں کے طور پر انہیں دی گئی اور ٹیپو کے دو بڑے بیٹے گورنر جنرل کے خیمے میں لائے گئے اور بطور یرغمال اس کے حوالے کیے گئے۔ اس اہم درباری کارروائی کا ایک مشہور پُرانا نقشہ ابھی تک انگلستان کے دیہی مکانات میں موجود ہے۔

میسور کی تاریخ گزشتہ کی یادداشت تک ٹیپو کے تیسرے بیٹے شہزادہ غلام محمد کے ساتھ وابستہ رہی۔ یہ اپنے بھائیوں سے جو کفالت کے طور پر گورنر جنرل کے حوالے ہو گئے تھے عمر میں چھوٹا تھا اور خود ہمارے زمانے تک زندہ رہا۔ یہ ایک وفادار و فیاض اور صلح پسند

شخص تھا۔ علی پور کی فوج میں رہتا تھا اور دو مختلف موقعوں پر انگلستان بھی گیا تھا۔ بہت سے انگریز اس قدیم شہزادے کی ہمان فوازی کے متعلق عمدہ خیالات رکھتے ہیں مثلاً اس کی قیام گاہ پرو سیسائیوں کی دعوت ہونا اور اس کا اپنے ایک سیاہ گھوڑے پر جس کی لمبی دم زمین کو جھاڑا کرتی تھی صبح کے وقت اطمینان کے ساتھ آہستہ آہستہ سکلٹے کے گھر دوڑ کے میدان کے اطراف چکر کاٹنا۔

کارنوالس کے انتظام مملکت کی خارجی حکمت عملی کے بعض دوسرے واقعات پر اب اجمالی نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ رزیدنٹ میجر پالمر (Major Palmer) کے ذریعے سندھیا کو یہ اطلاع دی گئی کہ گورنر جنرل اپنی خیر اندیشی اور مشورہ دہی کے ساتھ مداخلت کرتے اور گوالیار اور نواب وزیراودھ کے درمیان صفائی کرائے پر تیار ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ مرہٹہ سردار کو آگاہ کیا گیا کہ کوئی تہتک آمیز یا مضرت رساں طرز عمل نواب فیروز یاس کی رعایا کے ساتھ روا رکھنے کے یہ معنی ہوں گے کہ گوالیاہ کمپنی کے لوگوں کے ساتھ ہوا ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں علانیہ طور پر انگریزوں کی حیثیت کو عظیم ترین توت سے تعبیر کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا تھا تاہم الفاظ بالا اس موقع کے حسب حال تھے البتہ ہمد دلزلی ان کے استعمال کے لیے خوب موزوں ہوتا۔

ریاست بنجور کی مسند نشینی کے مسئلے نے حکومت کی بہت کچھ توجہ اپنی طرف منحطف کر رکھی تھی۔ حکومت نے اولاً امرنگھ کے دعاوی کی جو ریاست مذکور پر قباض تھا تائید کی لیکن یہ فیصلہ مزید غور و خوض کے بعد اور خاکسار مشہور پادری شواریٹز (Schwartz) کے خط کی بنا پر بدل دیا گیا۔ متوفی راجہ کے مبنی بیٹے سرفیجی (Sarfi) کو گدی پر بٹھایا گیا۔ نواب کرناٹک کو قرضوں کے ادا کرنے اور عہد ناموں کی شرطوں پر پابند رہنے کے لیے ترغیب دینے کی تدبیریں اختیار کی گئیں لیکن ان کا زیادہ اثر نہ ہوا اور اس شکل کا حل بھی دلزلی کے لیے باقی رہا۔ ایک بہت ممتاز سیاسی عہدہ دار کپٹن کرک پیٹرک (Captain Kirkpatrick) کو سفارت پر نیپال بھیجا گیا جہاں نائب السلطنت راجہ کے چچا کی جانب سے اس کا مٹلف آمیز خیر مقدم ہوا باوجود اس کے کہ امریکی ایک جماعت سنہ ۱۸۱۷ء میں جو تجارتی معاہدات اور یورپی تعلقات کو اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھتی تھی۔ فی الحقیقت یکے بعد دیگرے ہر دور حکومت میں نیپال کے راجہ اور وزیر کے عام حسد کے

باعث انگریزوں نے کارنوالس کے فرستادہ سفیر کے زمانے سے مشکل کوئی ایسی حقیقی ترقی کی ہے جس کی نسبت یہ کہا جاسکے کہ برطانوی تجارتی ہم کے لیے راہ آئندہ کھل گئی ہے۔

بھڑان لڑائیوں کے جو ٹیپو کے خلاف کی گئیں کارنوالس کا دور حکومت ایک پُر امن زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ پانڈیچری (Pondicherry) کی فتح اس کے آخری کارناموں میں سے ایک ہے جسے بحری اور فوجی متحدہ طاقت نے انجام دیا۔ فرنگی توپ خانوں کے چند حملوں کے بعد شہر محصور ہو گیا۔ بلاشبہ اس کے بعد ہندوستان کی دوسری تمام فرانسیسی چوکیاں اور کونٹھیاں عارضی طور پر انگریزوں کے حوالے ہونے لگیں۔

سیاسی اور فوجی معاملات کو جن کی کارنوالس نے رہنمائی کی یا جن میں نمایاں طور پر شرکت کی مختصر بیان کرنے کے بعد اب یہ ایک خوشگوار امر ہو گا کہ ہم ملک کی اندرونی اصلاح کی تدابیر کی طرف متوجہ ہوں جن کے باعث کارنوالس کو ان انگریز بد برون کی صف میں جگہ ملتی ہے جنہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کی برتری کو پایہ استحکام پر پہنچانے کے ساتھ ساتھ ان وسیع صوبوں کی تہذیب تنظیم اور ترقی کے لیے محنت اٹھائی ہے جو فتح یا تحویل کے ذریعے حاصل ہوئے۔ ان امور پر تبصرہ کرنے میں سب سے پہلے مالگزار کی کابندوبست قابل توجہ ہے۔ یہ معزز حکومت کے تحت خواہ وہ ہندو مسلم یا خارجی حکومت ہو بندوبست مالگزار کی کا فیصلہ پانا مقصد اولین رہا ہے۔ مالگزار کی یا محصول اراضی کا واجبی مطالبہ زمانہ سابق سے حقیقی حکومت کا حق مانا گیا ہے خواہ اس وقت حق کا عمل وسیع و شاندار صوبوں کے حکمران اشوک یا اکبر جیسے طاقتور بادشاہ کی طرف سے ہو یا زرعی رقبے کے چند مربع میل جنگل اور پہاڑی قلعے والے کسی ادنیٰ راجہ کی جانب سے۔ مبصر حکمرانوں مثل اکبر یا شیر شاہ کے ساتھ بھی مالگزار کی واجبی شخص اور کاشتکار یا دہقانوں کی جماعت اور اعلیٰ زمیندار کے درمیان پیداوار کی منصفانہ تقسیم ہمیشہ ایک مقدم فرض رہا ہے۔ ۱۷۶۷ء میں جب انگریزوں نے بنگال کی دہلی حاصل کی تو ان کا پہلا کام سالانہ یا پنج سالہ بندوبست کے ذریعے مالگزار کی وصول

کرنا تھا۔

تحصیل سے متعلق بعد کے مشاہدات نے فرنگی ناظمیوں پر یہ بات واضح کر دی کہ محدود تر اصول پر پیداوار میں حکومت کے حصے کا تعین کرنا آسان طریقوں سے اس کا جمع کرنا، اعلیٰ زمیندار یا کاشتکار حقیقت دار سے لے کر کاشتکار شملی تک ہر جماعت کے مفاد اور حقوق کی جانچ کرنا اور ان حقوق کو ایک مستقل اور قابل اعتماد وثیقہ کے ذریعے مسلم کرنا ضروری ہے۔ یہ سبجا طور پر کہا گیا ہے کہ جب تک محصول اراضی مقرر نہ ہو اور بندوبست عمل میں نہ آئے ترقی ملک کی کوئی دوسری کوشش نہ ہونی چاہیے اور اگر ہوئی تو اس کی کامیابی یقینی نہیں ہوتی۔ کسی خارجی یا دیسی حکومت میں خاطر جمعی اور رضا جوئی کی توقع رکھنا یا ان اخلاقی اور ضروری امور کو جن سے ترقی اور تہذیب ظاہر ہوتی ہے شروع کرنا اُس وقت تک بے سود ہے جب تک کہ ذراعت پیشہ لوگوں کو یقین کے ساتھ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ کس مناسبت سے سال کے کس زمانے میں، کن مقاموں پر اور کن حالتوں یا ذمہ داریوں کے تحت انہیں خراج کی کوئی تیار شدہ فصل کا وہ حصہ دینا ہے جسے وہ واجب الادا مانتے ہیں۔ ہندوستان میں بجز اس صورت کے کہ حکمران طاقت سے بطور استثناء معافی کی خاص منظور لی گئی ہو کسی شخص کے وہم و گمان میں کبھی یہ بات نہ آئی کہ بغیر کچھ ادا کیے وہ اپنے تعلقے یا زمین کے حصے پر قابض رہ سکتا ہے۔

یہ تمام نظریات دارن ہیسٹنگز اور کارنوالس کے عہد میں کامل طور پر تسلیم کیا گئے تھے۔ مگر ان کے ملازموں کی سمجھ میں اس طرح نہیں آئے جس طرح کہ زمانہ مابعد میں ان کے ذہن نشین ہوتے گئے لیکن پھر بھی بیس سال تک تحصیل مالگیزی پہلی اور خاص غرض تاجروں اور محروموں کی رہی جو حسابی میزوں اور کھاتہ گھروں سے اٹھ کر مقامی خزانے کی نگرانی اور کسی بڑے ضلع کی امداد سے اس کی معموری میں خود کو مصروف رکھتے تھے۔ لارڈ کلایو کے نظم و نسق کے دوسرے دور کے بعد انگریزوں نے البتہ باقاعدہ طور پر حکومت کا حصہ جمع کرنا شروع کیا تھا اور ایک معنی میں یہ گویا ملک پر ان کی حکمرانی کا آغاز تھا۔ پہلے پہل انگریز ملازم رکھے گئے اور انہیں ہندوستانی کلکڑوں اور اہلکاروں کی فوری ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے بعد کلکڑوں

پرنسنگران کاروں کا تقرر عمل میں آیا۔ بعد ازاں پٹنہ، ٹامپا کے اور مرشد آباد میں مقامی مجلسیں وجود میں آئیں اور آخر کار ایک مجلس مال قایم کی گئی جس میں پہلے مجلس علی کے صدر کی حیثیت سے اور بعد کو بہ حیثیت گورنر جنرل، لارڈ کار نو اس ایک رکن مقرر ہوا۔

جمع بندی کی ایک مہینہ بعد تو پانچ سال کے لیے قرار دی گئی اور دوسری ایک سال کے لیے۔ کلکٹروں کو تنخواہیں واجبی اور کمیشن بہت زیادہ دیا جاتا تھا۔ سرکاری مالگزاری کے جمع کرنے میں اتنا ہی زیادہ ظلم ہوتا تھا جتنا کہ زمینداروں کے واسطے لگان کے وصول کرنے میں ظاہر ہوتا تھا۔ کار نو اس کا تقریباً اپنی آمد کے وقت ہی سے یہ ارادہ تھا کہ اس ظلم کی تحقیقات کر کے شکایات دور کی جائیں اور ایک منصفانہ و پائیدار قانون اور قاعدے کے ذریعے کاشتکاروں کی تسلی زمینداروں کی حفاظت اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مفاد کے لیے اسباب مہیا کیے جائیں۔ اس مقصد کے ساتھ گورنر جنرل نے جائز طور پر ان لوگوں سے مدد چاہی جو اس کا راعانت کے لیے موزوں ترین تھے۔ کار نو اس یا اس زمانے کے مؤرخ کی یہ نادانی ہوتی اگر وہ ان کلکٹروں سے جو دفعۃً بنگال کے بڑے بڑے اضلاع پر متعین ہو گئے تھے ملکیت زمین، رسوم دیہی، حقوق، خزانے، اقسام اراضی اور قیمت پیداوار کے متعلق دقیق، صحیح اور گونا گوں واقفیت کی توقع رکھتا۔

بائیں ہمہ یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ کمپنی کے بعض قدیم ترین ملازم زراعت اور مالگزاری کے علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ گورنر جنرل نے مسٹر (Mr. Law) اور بورنیو (Borneo) کے راجہ بروک کے باب مسٹر بروک دونوں کو بہت قابل اور تجربہ کار افسر پایا۔ مسٹر جیمس گرانٹ کی مشہور کتاب ”شرح مالیہ بنگال“ (Analysis of the Finances of Bengal) میں معلومات کا ایک افزودہ موجود ہے جو اکثر مواقع پر مطالبہ مہل اور نتائج ناقابل یقین ہیں لیکن گورنر جنرل کو مسٹر شورجو بعد میں لارڈ ٹین ماؤتھ (Lord Teignmouth) بن گیا ایک ایسا زیر دست ساتھی ملا جسے بنگال و بہار کے لگان اور مالگزاری کے طریقوں سے ایک صحیح و سچا انداز

واقفیت تھی۔ شور کی یادداشتیں بہت طویل ہیں چنانچہ اس کی ایک یادداشت مورخہ جون ۱۸۹۰ء پانچ سو پانچ دفعات پر حاوی ہے اور گنجان چھپائی کے تقریباً نو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ کسی شخص کے لیے اس قسم کی یادداشت کا لکھنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ اسے اس صوبے کے گزشتہ موجودہ حالات پر کامل عبور حاصل نہ ہو۔

شور کے بہت سے مشاہدات، دلائل اور نتائج آج بھی ایسے ہی درست اور ناقابل الزام معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ وہ ٹیمیک ایک صدی قبل تحریر کے وقت سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستانی کیرکڑ اور میلان طبع پر اس کے خیالات زمانہ حال کے موافق ہیں۔ جس شخص نے نفس مضمون پر اس مستند کتاب کو غور و غوض کے ساتھ نہ پڑھا ہو وہ زمینداری بنگال کے اصل اصول کو سمجھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مقامی محاوروں اور اصطلاحوں کے ناگزیر اندراج کے باوجود اس کتاب کی زبان صاف اور واضح ہے اور گورنر جنرل نے ایک سے زائد مرتبہ شایستہ الفاظ میں اس کتاب یا موزوں طور پر یہ سمجھنا چاہیے کہ ان رسائل کے مصنف سے اپنے رہن منت ہوئے کا اظہار کیا گو اس کو شور سے چند ضروری امور میں اختلاف تھا۔

مختلف اوقات میں متعدد اینگلو انڈین ماہرین کے درمیان ان لوگوں کی اصلی حیثیت اور حقوق کی بابت جن کو انگریز صوبہ جات نشیبی میں زمیندار کہتے ہیں بہت کچھ مباحثہ رہا ہے۔ لبض نہایت قابل حکام کی رائے ہے کہ ابتدا میں یہ زمیندار کئی قسم کے تھے۔ اکثر اوقات یہ قلیل مدت کے لیے محض گماشتے بنے رہتے تھے جنہیں سرکاری محصول جمع اور ادا کرنے کا حق حاصل تھا۔ اس جماعت کے متعلق ایک بہت مشہور نقل سوانح لنڈسیاں (Lives of the Lindsays) میں درج ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ملازم آرنیل رابرٹ لنڈسے نے یہ معلوم کر کے کہ ایک ہندوستانی کلکٹر گنگا گوند ضلع بھٹ کا محصول وصول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے بذات خود پیش ہو کر محصول جمع کرنے کے حق کی درخواست کی اگرچہ مجلس ڈھاکہ نے اس کی مخالفت کی لیکن وارن ہسٹنگز نے اس درخواست کو منظور کیا اور اس طرح ہاتھیوں کو پکڑنے اور کلکتے کے بازارات میں ناریگی اور

لیو ہیا کرنے کا اجارہ یا کر اس نے جائز طور پر بڑی دولت حاصل کی۔ اس زمانے میں اس قسم کا کاروبار بالکل شایستہ اور با وقعت سمجھا جاتا تھا۔

دوسری صورتوں میں ہندوستانی محصول گیرندہ جس کا تقرر پہلے پہل ڈھلکے اور مرشد آباد کے مسلمان نوابوں کی طرف سے عمل میں آیا تحصیل وصول کا حق اپنے بیٹے یا جانشین پر منتقل کر سکتا تھا اور چونکہ یہ خدمت اس طرح موروثی ہو رہی تھی اس لیے اصولاً اس کو حقوق مغفوض سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن بنگال کے قدیم زمیندار امرا کے نمائندوں کو محصول جمع کرنے کا کام تفویض کرنا اکثر ایک عمدہ مصلحت ثابت ہوئی اور شور خصوصیت کے ساتھ اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ بنگال اور بہار کے صوبے ہاتھ آنے کے وقت محصول کی بابت دس لاکھ کی رقم بردوان، راج شاہی دیناپور، ندیا، بیربھوم، بشنوپور اور جیسر کے راجوں کی زمینداروں سے ادا کی گئی تھی۔ ان نمائندوں میں سے بعض آج ابھی جامدادوں کے مالک ہیں۔ بردوان سب سے بڑی اور نہایت ترقی پذیر ریاست ہے لیکن ندیا اور جیسر کی ریاستیں شور کے تسلیم کردہ راجوں کی اولاد کے قبضے میں ہیں۔ راج شاہی سے مراد ناٹور کی ریاست ہے جو اب وسعت حد و دولت میں بہت کچھ گھٹ گئی ہے۔ بیربھوم اور بشنوپور کے زمیندار بد انتظامی، ملازموں کی بددیانتی، فساد اور عام کمزوری کے باعث تقریباً افلاس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ۱۷۵۷ء میں یہ خیال کیا گیا تھا کہ انگریز ان زمینداروں کے ساتھ کوئی بندوبست عمل میں لائیں گے جنہیں بہ اعتبار نسل، قدامت یا حق و رواج سینکڑوں اور ہزاروں کاشتکاروں سے محصول وصول کرنے اور حکومت کو اس کا واجبی حصہ یا مالگزاری کا حساب دینے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔

مختلف زمانوں میں یہ کہا گیا ہے کہ کارنوالس نے ایسے زمینداروں کی نسبت جن کے ساتھ اس نے مالگزاری کا بندوبست کیا تھا مالکان اراضی ہونے کا اعلان کیا اور خاص اپنے الفاظ میں ان کو اپنی زمینوں پر قابض ہونے کا یقین دلایا اور اس نفع کو جو زمینوں کی ترقی سے حاصل ہو ملکیت کے ایک غیر مشروط اور مخصوص حق کے ساتھ جیسا کہ انگلستان میں انگریز اس کا مفہوم لیتے ہیں اس نے

ان کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا اور حوالے کر بھی دیا۔ لیکن کسی لحاظ سے بھی حقیقت حال یہ نہیں ہے۔ اس کی یادداشتوں اور مصلحتوں کی عبارت سے نیز اس کی قانون سازی سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اس نے زمینداروں کے کامل حق ملکیت کو نہیں بلکہ محض ایک محدود حقیقت کو تسلیم کیا۔ اُسے صاف طور پر اپنے مشاہدے کا احساس تھا اور وہ زمینداری میں دوسرے لوگوں کے مفاد اور حقوق کی نگہداشت کے لیے مستعد رہتا تھا لہذا اس کے ان الفاظ کو جن میں وہ زمینداروں کو مالکان الاراضی کہتا ہے مشرقیوں کے مفہوم میں لینا چاہیے نہ کہ انگریزوں کے وہ ملک کے عام قانون سے جو صدیوں سے رائج تھا عللاً زیادہ واقف نہ ہو سکا۔ سر جارج کیسبل نے جسے پنجاب، صوبجات بالائی، اودھ اور بنگال میں ملکیت زمین سے متعلق واقفیت حاصل کرنے کے مواقع ملے ہیں چند سال پہلے یہ بیان کیا تھا کہ ہندوستان میں زمین ایک ایسی ملکیت ہے جس میں دو اور دو سے زیادہ فرقی بالکل واضح، جدا اور مستقل اغراض رکھتے ہیں اور اس اصل حقیقت سے بے پروائی اور غفلت کرنے کے باعث موضوع زیر بحث میں پیچیدہ اور غلطالہ کا زیادہ تر استعمال ہوا ہے۔ جو سرکاری ملازم ۱۸۵۹ء کے اصلاحی قانون کی ترتیب میں شریک رہے یا جنہوں نے اس زمانے سے قبل صوبہ جات نشیبی کے قوانین الاراضی و مالگزار کی نفاذ میں رعایا کا جائزہ عمل دیکھنے کی کوشش کی اور جنہوں نے زمینداروں کے حقوق محدود ہونے پر اصرار کیا ان سب کو غالباً اس بات کا یقین ہے کہ اس آخری نظریے کو مشہور و شرح، کے مصنف جان ہربرٹ ہیزنگٹن نے پسند کیا۔ اس کی کتاب جو ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے درمیان شائع ہوئی مدت دراز تک غیر مطبوعہ حالت میں پڑی رہی البتہ بہت سی قانونی دفاتر کی جگہ جن کو حیرت انگیز سلاست و صحت کے ساتھ مشرح طور پر بیان کیا گیا تھا بہتر قوانین ماننے لے لی۔ لیکن انگریزوں کے طریق انتظام کی تدریجی دخل یا بی، مسلمان صوبہ دار کی ہولناک بیرٹ، تحصیل مالگزار کی پیش آمدہ مشکلات اور تنظیم و قانون کا اجرا ان امور کو اگر کوئی تاریخ قدیم کا طالب علم یا ملازم دیوانی جس کی صوبہ جات نشیبی میں حانیہ تعیناتی عمل میں آئی ہو کامل طور پر سمجھنے کی خواہش کرے تو اس کو ہیزنگٹن

کی شرح کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

ہیرنگٹن کی شرح قانون ہند کے لیے ایسی ہی کتاب ہے جیسی کہ کوک آن لٹلٹن (Coke on Littleton) قانون انگریزی کے لیے ہے۔ جلد سوم کے ایک حصے میں جس میں مالگزاری کا ذکر کیا گیا ہے کینل ولس (Colonel Wilks) کے ساتھ ایک مباحثے کے بیان سے جان پڑ گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ”جنوبی ہند کے تاریخی حالات“ جو ایک بہت قابل قدر کتاب ہے لکھتے وقت بنگال کی ملکیت زمینداری کو بالکل نہیں سمجھا۔ کینل ولس کے نزدیک جو بات عقدہ لائیکل تھی ہیرنگٹن نے اسے صاف اور سلیس طور پر بیان کر دیا ہے۔ ہیرنگٹن شور کا حوالہ دیتے ہوئے ابتداً اس طرح کرتا ہے: ”نہایت سرسری مشاہدے سے اس ملک میں صورت و اقلات کا نزاع انتشار ظاہر ہوتا ہے۔ حکومت سے زمیندار کا اور زمیندار سے رعیت کا تعلق، حقیقت دار اور نہ اجارہ دار کی طرح ہے بلکہ دونوں کا مجموعہ ہے۔ سابق الذکر اختیار ہی امور کو انجام دیتا ہے جن کا حق ملکیت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ مؤخر الذکر بغیر اصلی جائیداد کے حقوق رکھتا ہے اور ایک کی جائیداد اور دوسرے کے حقوق بڑی حد تک اختیار تیزی پر موقوف ہیں۔ یہی طریقہ تھا جو ہم نے معلوم کیا اور جس کو ناگزیر طور پر ہم تسلیم کر چکے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی ایسا آئین جو اپنے تمام جزئیات میں کامل یکسانی رکھتا ہونا فذ کرنے اور حکومت سے زمیندار کے اور زمیندار سے رعیت کے مخلوط تعلق کو زمیندار اور اجارہ دار کے سیدھے سادے اصول کے ماننے میں ڈھالنے کے لیے ہمیں بڑی مدت درکار ہوگی۔“ اس کے بعد ہیرنگٹن خود سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس تمام الجھن کی جو ہندوستان میں ملکیت زمین سے متعلق مباحث میں پیدا ہو گئی ہے یہی اصل بنیاد ہے۔ ”اس پیچیدہ طریقے کو جو ہم نے اس ملک میں دیکھا ہمارے ملک کے زمیندار اور اجارہ دار کے سادے اصول پر منطبق کرنے کی کوشش میں اور خاص کر ہندوستانی طریقے کو موزوں اور واضح مفہوم کے الفاظ سے تعبیر کرنے میں جو بڑی کشاکش کے بغیر ٹھیک طور پر اس سے کوئی نسبت نہیں رکھتے یہ الجھن اگرچہ مجموعی طور پر نہیں تاہم جس قدر بھی نفیس مفہوم سے متعلق ہے تو ناہو گئی ہے۔“ وہ آگے چل کر زمیندار کی حیثیت کو جیسا کہ انگریزوں

نے اُسے پایا حسب ذیل عبارت میں بیان کرتا ہے۔ اس عبارت میں متوازن تصناد، محدود و صریح الفاظ کے ذریعے حقوق کا اعتراف اور پریشان کن اختلافات کا خوشگوار حل درج ہے۔ ان باتوں کے اعتبار سے عبارت مذکور کے مقابلے میں غالباً اس قسم کے مضمون کی کسی یادداشت، سرکاری تحریر یا اعلان کو فوقیت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

”زمیندار ایک عجیب ہیئت کا مالک اراضی نظر آتا ہے جس کی تعریف ہماری زبان میں کسی ایک فقرے سے نہیں ہو سکتی۔ وہ رعایا اور دوسرے زیرِ صمت اسیوں سے ریاست کی مالگاری وصول کرتا ہے۔ اُسے وراثتہ اپنا حق زمینداری حاصل کرنے کی اجازت ہے تاہم اُسے فرمانروایا اس کے نمائندے سے بالعموم اپنے منصب کی تجدید کرانے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کام شاہنشاہ کو ایک پیش کش گذرانے اور اپنے صوبے کے پیشکارِ ناظم کو نذرانہ یا تحفہ دینے پر انجام پاتا ہے۔ وہ بیع یا ہبہ کے ذریعے اپنی زمینداری منتقل کرنے کا مجاز ہے مگر عموماً اس بارے میں خاص منظوری پہلے سے حاصل کرنے کی اس سے توقع کی جاتی ہے۔ اُسے عام طور پر اپنی زمینداری سے سرکاری محصول وصول کرنے کے لیے ہر سال ٹھیکہ دار ہونے کا حق حاصل ہے تاہم اُسے زمین یا رقوم کے محدود انتظام کے ساتھ الگ کیا جاسکتا ہے جب کہ حکومت یہ چاہتی ہے کہ علیحدہ کارکن کے توسط سے محصول وصول کیا جائے یا عارضی یا مستقل طور پر کسی جاگیر کی منظوری کے ذریعے اس کا تعین ہو۔ اُسے بنگال میں موجودہ صدی کے اوائل سے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زمینداری کے اندر پرگنوں، دیہاتوں اور چھوٹے چھوٹے زمین کے قطعوں میں صوبہ دار کے عائد کردہ ابواب کی تقسیم کرے بالعموم اُس تناسب کے ساتھ جو ڈورل اور دوسروں کے نافذ کردہ معین محصول زمینداری کے مشابہ ہو لیکن یہ اختیار سرکاری حکام کے حسبِ مشاؤونیسی مداخلت پر مشروط ہے جو مخصوص علاقوں میں محصول کی رقوم کو یکساں کرنے یا ان قبیح امور کو جو رعیت کے حق میں ظلم و تعدی کا باعث ہوں دور کرنے کے لیے کی جائے۔ وہ اس اتفاقی آمدنی کا مستحق ہے جو اسے میعادِ معاہدہ کے دوران میں اپنے اجارے کی بدولت حاصل ہوئی ہو لیکن اپنی ملکیت زمین کے قوانین کی رو سے اُسے اپنی وصولیابیوں

کا صحیح حساب پیش کرنا پڑتا ہے۔ انہیں تو انین کی بنا پر وہ اپنے مقبوضہ علاقے میں امن قائم رکھنے کا ذمہ دار ہے لیکن نظامِ اُسے اس امر کی بھی اجازت ہے کہ کسی کو محض گرفتار کر کے مقدمے کی تحقیقات اور سزا کے لیے مسلمان ناظم عدالت کے حوالے کر دے۔ مغلیہ دستور و عمل درآمد کے تحت زمیندار کے متعلق مختصر طور پر یہ میرا موجودہ خیال ہے۔“

یہ رائے ہے اُس نوجوان عہدہ دار مال کی جس کی تربیت سیٹنگز کے طریقے پر ہوئی تھی اور اس کے اٹھائیس سال بعد اس نے اپنے بچتہ تجربے کی بنا پر اپنے خیال میں تبدیلی کی کوئی وجہ نہیں دیکھی لیکن اسی وقت وہ زمیندار کی حیثیت اور حقوق کے تغیرات کو بیان کرتا ہے جو دوامی بند و بست کے باعث پیدا ہو گئے تھے۔ محکوم تعلقداروں، کسانوں اور دیگر کاشتکاروں کی حفاظت کے متعلق حکومت کے لیے جو اختیار قانون سازی محفوظ ہے اُس پر نظر ڈال کر وہ کہتا ہے کہ اب زمیندار کو یہ آزادی حاصل ہے کہ پیداوار کا حصہ (جو حکومت کا حق ہے) اور اپنا خاص زر لگان ان دونوں کے امتیازی حصے کو وہ اپنے ذاتی استعمال کے لیے مخصوص کر لے۔^{۱۷۹۳} سے قبل اس حصے کی جو مقدار تھی اب تجھنے میں اس سے سہ چند زیادہ ہو گئی اور اسی اضافے اور فائدے کا خیال کر کے ہیرنگٹن زمینداروں، تعلقداروں اور تمام مالکان اراضی کو خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں عام معنی میں حقیقت داراں، تسلیم کرنے کے لیے آمادہ تھا۔

دوسرے ضروری خاص امور میں ان کی حیثیت بہتر اور مسلم تھی۔ وارثوں اور جانشینوں کو آئندہ اپنے حق وراثت یا جانشینی کی توثیق کے لیے کوئی علیحدہ سند لینے کی ضرورت داعی نہ ہوتی تھی۔ ان سے سابق پیش کش یا نذرانہ گزرتے کی توقع نہیں کی جاتی تھی کسی جائیداد کو فروخت یا منتقل کرنے کے لیے وہ اجازت کے محتاج نہ تھے۔ آئندہ جب تک کہ مالگزاری یا بندی کے ساتھ پوری ادا ہوتی رہے زمینداری کے انتظام سے عارضی یا مستقل طور پر زمیندار کی علیحدگی عمل میں نہیں آ سکتی تھی چونکہ وہ جدید یا مزید ابواب کے بار سے نجات پا چکا تھا اس لیے اپنی رعیت پر اس قسم کا کوئی محصول لگانے سے باز رہنا اس کے لیے ضروری تھا۔

لیکن آئندہ وہ آمد و خرچ کے حسابات پیش کرنے کا ذمہ دار نہ تھا اس موقع کے سوا جبکہ مشترک حصہ داروں کے درمیان کسی جائیداد کی تقسیم پر سرکاری مالگزاری متخلف کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ آخر میں پولیس کا انتظام بھی اس کی تحویل سے نکال لیا گیا اور صرف یہ توقع کی گئی کہ قیام امن کے ساتھ ساتھ جرائم اور سخت نظام کی اطلاع دہری کے ذریعے وہ حکومت کے انتظامی عہدہ داروں کی مدد کرے۔

سلطنت مغلیہ کے زمانے میں اور کلائیو، ویریلسٹ (Verelst) کا ریٹیر (Cartier) اور ہیسٹنگز کے دور حکومت میں زمیندار کا جو درجہ تھا اس کو ہیرنگٹن نے جس طرح پہلے بیان کیا تھا اسی طرح اس نے قانون کارنوالس کے تحت اس کی نئی حیثیت کی توضیح کی جو یہ تھی۔ وہ ایک زمیندار تھا جس کے قبضے میں زمینداری کی جائیداد تھی جو موروٹی ہوتی تھی اور بیع یا ہبہ کے ذریعے منتقل ہو سکتی تھی لیکن ان تمام صورتوں میں مقررہ سرکاری لگان اس پر برقرار رہتا تھا۔ یہ لگان ادا کرنے کے بعد زمیندار اس بات کا مجاز تھا کہ کوئی زائد لگان یا منافع اپنے لیے مخصوص کر لے جو قانوناً اسے اپنی زمینداری کی شکمی رعیت سے یا غیر مقبوضہ اراضی کی کاشت و ترقی سے وصول ہو سکے۔ لیکن بایں ہمہ وہ ان شرائط اور قواعد کا پابند تھا جو پہلے سے قائم تھے یا جو حکومت برطانیہ بعد کو اس غرض سے نافذ کرے کہ مختلف النوع رعایا اور شکمی کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت ان کی متعلقہ ملکیت اراضی میں ہو اور انہیں ناجائز دست درازی یا ظلم سے بچایا جائے۔

کارنوالس کے پیش نظر دو بالکل واضح مقاصد تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ زمین کی کاشت کے ذریعے زیادہ آمدنی مالگزاری کی امید پر زمینداروں کو مالکان اراضی تسلیم کیا جائے۔ نیز یہ کہ جو بند و بست ان کے ساتھ دس سال کے لیے ہوا ہے اس کے دوا می ہونے کا اعلان کیا جائے اور وہ ہمیشہ کے لیے مقرر ہو جائے یہاں ایک بات ایسی درپیش تھی جس میں وہ شور سے اختلاف رکھتا تھا اور اس بارے میں اس زمانے کی یادداشت اور سرکاری وثیقوں کے ایک بڑے حصے پر طویل بحثیں ہوئیں۔

مختصر یہ کہ شور کی رائے یہ تھی کہ استعداد زمین کی ٹھیک طور پر تحقیق نہیں ہوئی ہے۔ ہمارے یہاں لگان، حقیقت اراضی اور زرعی مفاد کے وسیع اور پیچیدہ مضامین کا کافی علم رکھنے والے لوگوں کی کوئی جماعت نہیں ہے۔ رعایا سے محصول وصول کرنے میں زمینداروں کی زیادہ مستانی کے باعث بڑی بڑی خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ وسیع زمینداروں کا رقبہ گھٹانا اور چھوٹے درجے کے مالکان اراضی کی تعداد بڑھانا مناسب ہے اور ان مقاصد کی تکمیل بغیر وقت اور محنت کے نہیں ہوتی۔ حاصل کلام یہ کہ ایک ناقابل تسخیر بندوبست دوا می کی ذمہ داری لینے سے قبل کچھ مدت تک انتظار کرنا فراست و مصلحت پر مبنی ہو گا۔ ان امور کے متعلق لارڈ کارنوالس کا جواب یہ تھا کہ ہمیں اس وقت اور نہ دس سال کے اختتام پر عہدہ داروں کی کسی ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو اس قسم کی دقیق اور پیچیدہ تفصیل میں پڑے۔ صوبے کا ایک بہت بڑا حصہ ویران جنگل ہے اور دوا می بندوبست ہی زمینداروں کی تسلی و زراعت کی ترقی اور حکومت کے استحکام کا باعث ہو گا۔ اس جگہ ایک امر کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو گذشتہ کئی سال سے سہولت یا غفلت کی بنا پر نظر انداز ہو گیا ہے اور وہ امر یہ ہے کہ انہیں زمانے میں زمیندار کا حصہ اس کی کل آمدنی کا پانچواں حصہ ہوتا تھا۔ باقی ۹ حصہ حکومت کو ملتا تھا۔ اگر کوئی زمیندار تنقیح کے بعد کسی ضلع کی مالگزاری جمع کرنے سے انکار کرتا اور دوسرا آدمی گماشتہ تحصیل مقرر ہوتا تو علیحدہ شدہ زمیندار کے لیے صرف دس فی صد حق تحصیل الگ رکھا جاتا تھا اور اسی قاعدے پر نہا بلوں اور عورتوں کے معاوضے میں عمل ہوتا تھا۔ شور کی یہ پیش بینی تھی کہ مجوزہ جمع بندی کی توثیق پر شاید زمیندار کا منافع تقریباً پندرہ فی صد تک پہنچ جائے گا۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ موجودہ زمانے میں جہاں ہمیں زمینداروں کے خالص منافع کا کامل یقین نہیں ہے وہاں ہم صحیح طور پر یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ بہت زیادہ صورتوں میں وہ شور کے متوسط نتیجے سے بڑھ جاتا ہے۔

ایک اور ضروری امر شور اور کارنوالس کے مابین تصفیہ طلب تھا بعض ایسے اندرونی ابواب تھے جو زمینداروں کی جانب سے عائد کیے جاتے تھے۔ ان ابواب میں سے چند سائراور راہ جاری کے نام سے مشہور تھے اور چند اس محصول پر

مبنی تھے جو ملک کی تھوک فروشی اور خرودہ فروشی کے بازاروں میں سامان فروخت شدنی پر لگایا جاتا تھا۔ اس موقع پر ان ابواب کی تفریق کا طویل تذکرہ ضروری نہیں ہے گو اس کا علم زمانہ حال کے نوجوان ملکی عہدہ دار کے لیے لازمی سمجھا جاتا ہے۔ اس کا مہل مختصر طور پر یہ ہے: مسائز کا محصول گویا مقامی اور بے قاعدہ مطالبہ تھا جو زمیندار اپنے علاقوں میں خشکی و تری کے راستوں سے گزرنے والے مال و اسباب پر عائد کرتے تھے۔ راہ داری کی نوعیت بھی بالکل اسی قسم کی تھی۔ اس لفظ کے ٹھیک معنی مال و اسباب کے گزرنے کی اجازت ہی کے ہیں۔ راہ داری ایک قسم کا محصول تھا جو حفاظت و آزادی کے بارے میں وصول کیا جاتا تھا۔ ابواب کی یہ دونوں اقسام ۱۷۹۷ء اور ۱۷۹۸ء کے قوانین کی رو سے باضابطہ موقوف کی گئیں۔

اس تانسخ موقوفی کے بعد اگرچہ ظالم اور دست دراز زمینداروں نے بنگال کے ہر حصے میں کبھی کبھی مذکور بالا ابواب کا محصول لگایا جیسا کہ ان لوگوں کے حافظے اور علم کی مدد سے پتہ چلتا ہے جو ابھی تک بقید حیات ہیں لیکن قاعدہ یہ چلا آ رہا ہے کہ ابواب کی رقم جمع کرنے کے لیے زمینداروں کے اختیارات مزدور زمینوں، ماہی گیری کی جگہوں اور چراگاہوں کے محصول کی وصولیابی تک نیم سز جھاڑیوں اور جنگلوں کی قدرتی پیداوار کی تحصیل تک محدود ہوتے ہیں۔ اب آگے چل کر اس محصول کے متعلق کچھ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو زمیندار اپنے علاقوں سے گزرنے والے اور ایک زمینداری یا پرگنہ سے دوسرے کو منتقل ہونے والے مال و اسباب پر نہیں بلکہ ایسے سامان پر عائد کرتے تھے جو بعض مضامین فروخت بعض دُور دراز مقامات پر لایا اور رکھا جاتا تھا۔ ان مقامات کو شور نے گنج بازار اور ہاٹ کے ناموں سے موسوم کیا جو آج تک مستعمل ہیں۔ گنج تھوک فروشی کا ایک بازار ہوتا ہے لیکن اس قسم کے بازاروں میں چھوٹے چھوٹے تاجروں خرودہ فروشی بھی کیا کرتے ہیں۔ ایسے چند گنج کی جو بڑی بھاری تجارت کے مرکز ہیں مشہور مثالیں سراج گنج دہلی، نالچیتی (Nalchiti) (باقر گنج)، اونا گنج (دھاکہ) ہیں۔ بازار دس بیس پچاس یا اس سے زیادہ مکانوں اور دکانوں کے مجموعے کا نام ہے جہاں تمام اشیائے مایحتاج فروخت کے لیے ہوتی ہیں۔

ہاٹ سے مراد وہ مقام ہے جہاں عموماً ہفتے میں دو خاص دن ترکادیاں میوے اور ضروریات زندگی بغرض فروخت رکھی جاتی ہیں۔ بعض اوقات ہر مستقل بازار پندرھویں دن اپنی دکانیں یا ہاٹ قائم کرتا ہے۔

لیکن اکثر و بیشتر ہاٹ ایک کھلے مقام پر بھرتا ہے جہاں کسی قسم کی کوئی مستقل عمارت نہیں ہوتی۔ ایسے مقامات پر ہاٹ کے مقررہ ایام میں دو ہزار بالغ و مشتری کی آوازوں کا شور و غل رہتا ہے۔ غیر ایام میں ہاٹ ایک خاموش، غیر آباد خالی مقام نظر آتا ہے جب ہم اس غیر مشروط ملکیت کے مسئلے پر جس کا مطالبہ بیندلوں کے لیے ہوتا ہے غور کرتے ہیں تو یہ بات نہایت واضح ہو جاتی ہے کہ کاغذات میں بہت کچھ بحث اس نوعیت کی موجود ہے کہ گنج، بازار اور ہاٹ زمینداروں سے کامل طور پر نکال لیے جائیں اور ان کے علاقوں سے علیحدہ کر دیے جائیں۔ بعض حلقوں میں یہ خیال حقیقتہً پھیلا ہوا تھا کہ زمینداروں کے حقوق ناقضاً صرف مزروعہ زمینوں، چراگاہوں، ماہی گیری کی جگہوں اور جنگلوں تک محدود ہوں گے۔ صوبے کے بعض حصوں میں زمینداروں نے گنج پر کوئی استحقاق نہیں بتایا۔

شوران لوگوں کی مثالیں پیش کرتا ہے جو حقوق زمینداری کے بغیر گنج اور بازار کے مالک بن بیٹھے تھے۔ آخر کار عینوں قسم کے بازار ان زمینداروں کے حوالے کیے گئے جن کے علاقوں میں وہ پائے جاتے تھے اور آج تک زمینداروں کے حقوق و اختیارات میں جو حق کہ انہیں ایک نیا ہاٹ یا بازار قائم کرنے کا حاصل ہے اس سے زیادہ قابل قدر اور اکثر زیادہ سودمند ان کا کوئی اور حق ثابت نہیں ہوا۔ فی الحقیقت زمانہ حال تک زبردست حقیقت دار کسی رقیب کو تباہ کرنے اور اس کے بائع اور مشتری کو اپنی طرف کھینچنے کے صریح مقصد سے بازارات قائم کرتے رہے اور اس قسم کی کارروائیوں کے باعث کوئی تیس چالیس سال قبل بلوے، لڑائیاں، کشت و خون اور بہت سی مقدمہ بازیاں ہوتی رہیں۔

ہمارے نزدیک کارنوالس کی فراست کی یہ کوئی اہانت نہیں ہے کہ اسے بنگال و بہار کے کسی ضلع کی اندرونی حالت کا ایسا صحیح علم نہ تھا جیسا کہ شور کے دل و دماغ میں موجود تھا۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ کارنوالس نے صوبے کے طریق زراعت و مالگزاری کے متعلق بعض اہم مسائل کو کامیابی کے ساتھ سمجھنے

کی کوشش کی تھی اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس نے کسی طرح بھی یہ ارادہ نہیں کیا کہ ساری زرعی اور دیہاتی جماعت کو اعلیٰ زمینداروں کے حوالے کیا جائے تاکہ یہ زمیندار ٹھیکے کی شرائط اور طلب و رسد کے معاشی اصول کے تحت اس سے کاروبار کریں۔ اس امر کے ثبوت کے لیے ہمیں صرف اس کی یادداشتوں اور ضابطوں کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے۔ وہ کمزور ہے جس کے حقیقت وارہ کی تعداد بڑھانے کی تائید میں تھا کیونکہ اس کا یہ خیال تھا کہ ان کا انتظام نسبتاً بہتر ہے۔ اس نے چند کم رتبہ تعلقداروں کے اس اختیار کو تسلیم کیا کہ وہ اعلیٰ زمیندار کے توسط کی بجائے براہ راست حکومت کے خزانے میں مالگزاری ادا کیا کریں۔ ایسے تعلقے مالگزاری کی اصطلاح میں 'حضور' کہلاتے تھے جو شکمی تعلقوں سے جداگانہ نوعیت رکھتے تھے۔

کارنوالس نے یہ اصول قائم کر دیا کہ زمیندار صرف مروج یا مقدر لگان پاسکتا ہے اور اسے اپنی زمین دوسرے کو دینے کی واحد غرض سے کسی کاشتکار کو بھی بے دخل کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ زمیندار اس رقم کا تعین کر کے پٹے عطا کریں جو رعایا کے ذمے واجب الادا ہوتی ہے خواہ اس رقم کا مطالبہ کسی قاعدے یا طریقے کی بنا پر کیا جائے۔ زمیندار کی حائد کردہ ہر رقم سوائے کو جسے ابواب کہتے تھے کارنوالس نے معاہدہ شکنی اور ملک کے نافذ شدہ قوانین کی صحت خلاف ورزی سے تعبیر کیا۔

اس نے خصوصیت کے ساتھ حکومت کا یہ حق محفوظ رکھا کہ وہ بعض حقیقتات ایسی زمینوں کو واپس لے لے جو دینی و دنیوی اغراض کے لیے مقرریوں، برہمنوں، جویشوں، پجاریوں اور دوسرے فرقوں کو دی گئی ہوں اور منابیط یا قانون کی ایک دفعہ جو اس قسم کے نظریوں پر مشتمل ہے اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جس طرح حکمران طاقت کا یہ فرض ہے کہ وہ نادار فرقوں کی دستگیری کرے اسی طرح گورنر جنرل باجلاس کو تسلیم کرے کہ جب کبھی مناسب خیال کرے ایسے قوانین نافذ کرے جن کو وہ محکوم تعلقداروں، رعایا اور دوسرے کاشتکاروں کی فلاح و بہبود اور حفاظت کے لیے ضروری سمجھے۔ متعدد اور طریقوں سے زمیندار کے اختیار آ

کی حد بندی کی گئی۔ اگرچہ اُسے اپنی جائیداد میں رکھنے یا فروخت کرنے کی اجازت تھی تاہم اس قسم کے معاملے سے وہ سرکاری مالگزاری کے وصول ہونے میں کوئی اندیشہ پیدا نہیں کرتا تھا۔

اگرچہ خانگی طور پر جائیدادوں کی فروخت زیادہ نہیں تھی لیکن مشترک حقیقت داروں کے حصے علیحدہ کرنے پڑتے تھے اور یہ علیحدگی جس سے اولاً یہ مراد لی گئی کہ ہر ایک حصہ دار اپنا لگان ایک علیحدہ گماشتے کے ذریعے جمع کرتا ہے آخر میں زمینداروں کی تقسیم پر قبیح ہوئی۔ بعد کو کلرک کا یہ فرض ہو گیا کہ وہ ہر ایک علیحدہ زمیندار کے متعلق جو کئی دیہات پر مشتمل ہوتی تھی اس بات کی نگرانی کرے کہ آیا اس پر مالگزاری کی مناسب رقم عائد کی گئی ہے اور آیا خانگی حیثیت سے انتقال اور اضمی یا سرکاری طور پر اس کی تقسیم دونوں صورتوں میں کلرک کے طریق عمل سے حکومت کے مفاد کی موثر پیرائے میں حمایت کی گئی ہے۔ جب تک اس شخص کی منظوری کسی خاص معاملے میں نہ ہوتی تھی اس وقت تک ساری اصلی جائیداد پر سرکاری محصول کے تادیبے کی ذمہ داری رہتی تھی۔

۱۸۹۱ء کے نافذ شدہ قانون کے بعد کچھ مدت تک زمینداروں کو قانوناً ممانعت تھی کہ وہ پٹے یا شملی داریاں میعاد مقررہ سے زیادہ کے لیے عطا نہ کریں۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ زمیندار اچھے اور بُرے سال دونوں میں برابر کا شریک تھا اور چونکہ اس پر مالگزاری کا اضافہ عائد نہیں ہوتا تھا اس لیے اُسے اس کا بار ادا یا قسط میں تخفیف مالگزاری کی کوئی توقع نہ تھی۔ جب کسی جائیداد کا عام نیلام ہوتا تو جدید خریدار اس نئے علاقے کو اپنے پیش رو کا کوئی تازہ قرضہ ادا کیے بغیر حاصل کر لیتا۔ چنانچہ مکرانی کے بعض دوروں میں بہت سی عیارانہ دغا باز یوں کی کوشش کی گئی جنہوں نے زمینداروں کے جہیں ذمہ داری کا بار اٹھانے یا شملی کا شکار یاں قایم کرنے کے لیے مدد مل چکی تھی قصداً اپنی زمیندار یوں کو بقایا کی بابت نیلام ہو جانے دیا۔ اس کے بعد اپنے کسی زیر دست یا تیسرے شخص کے نام سے ان کو خریدا اور شش یہ کی کہ خود اپنے لیے جو ذیلی حقوق قایم کیے تھے انہیں منسوخ کیا جائے۔ لیکن اس قسم کی کارروائی کا اصل کاشتکار حقیقت دار یا کاشتکار پر کچھ اثر نہ پڑا اور اس کی حیثیت ایک حد تک اس قاعدے کی بنیاد پر محفوظ رہی گئی کہ زمیندار باضابطہ

دیوانی مقدمے کے ذریعے چارہ جوئی کے بغیر معمولی لگان میں اضافہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کسی رعیت کے لگان کا تعین کرنا یا اس کو پرگنے یا اس کے قرب و جوار کے معیار کے مساوی کرنا ایک عام بات ہو گئی تھی۔ قانونی لگان جس سے انگریز ناظرین آئرلینڈ میں اس کے حالی نفاذ کے باعث اب خوب واقف ہو گئے ہیں ایک صدی پہلے سرزمین ہند کا دستور تھا۔ اس امر کا کبھی اظہار نہیں ہوا کہ محکمہ عدالت کو رجوع کرنے کی ضرورت کس طرح آزاد اور غیر محدود ملکیت کے کسی اصول کے مطابق ہو سکتی ہے۔

بائیں ہمہ راجہ، زمیندار یا چودھری کی حیثیت کارنوالس کے دوران حکومت اور مابعد میں کئی لحاظ سے قوت، حقیقت اور منفعت پر مرکوز تھی اور جو قانونی رعایتیں اس کے ساتھ روارکھی گئیں یا جن امور کو عدالتی فیصلوں نے تسلیم کیا تھا ان کا اب کچھ ذکر کرنا ضروری ہے۔ وہ علاقہ جس کو انگریزی اصطلاح میں اکثر زمینداری یا تعلقے سے تعبیر کیا جاتا ہے بنگال میں صرف ایک قطعہ زمین کا مراد ہے جس کی ٹھیک طور پر حد بندی کی جاتی ہے اور نہ کوئی صراحت ہوتی ہے البتہ اس پر مالگزار کی ایک خاص رقم کے تادیے کا بار ڈالا جاتا ہے۔ اس سے مراد صرف ایک گاؤں ہے یا دیہاتوں کا مجموعہ یا کئی دیہاتوں کے حصے یا ایک ریاست جو کسی انگریزی ضلع کے برابر ہوتی ہے۔ دفتر تحصیل کے رجسٹر میں ہر ایک علاقے کا ایک علیحدہ نشان ہوتا ہے اور بالعموم یہ تشریح کی جاتی ہے کہ وہ فلاں پرگنے یا پچکلے میں واقع ہے۔ مالگزاری کی اصطلاح میں ایسے گاؤں جو کسی علاقے میں شامل ہوں مواضع کہلاتے ہیں۔ لفظ موضع، ایک عام مکمل اپنے اس گاؤں کے لیے استعمال نہیں کرتا جس میں وہ مقیم ہے یا جسے اس نے اپنا وطن بنا لیا ہے۔ لیکن علاقے میں خواہ بڑا ہو یا چھوٹا زمیندار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر ایک پٹہ دار سے لگان کا مطالبہ کرے اور صرف وہی نئے پٹہ داروں کو زمینوں پر قبضہ دلا سکتا ہے۔ تمام افتادہ اور غیر مقبوضہ زمینیں اسی کی ملکیت ہیں۔ وہ مزدوروں کے ذریعے ان زمینوں کی کاشت کر سکتا ہے اور یہ کاشت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے یا کبھی ہوتی ہی نہیں۔ یا وہ رعایا کی نئی جماعت

کو اس بات کی ترغیب دے سکتا ہے کہ اس کے زیر نگینداشت وہ وہاں قیام پذیر ہو، اپنے لیے مکانات تعمیر کرے، جنگل صاف کرے اور زمین جوڑے۔ ایسی صورتوں میں مطلوب لگان پہلے پہل بہت کم ہوتا تھا۔ اُن زمینوں کا لگان فصل کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا تھا جن کی مدت سے کاشت ہوتی رہی ہے۔ چاول کی فصلوں کے لیے جو بلند تر زمین پر پائی جاتی تھیں لگان کی ایک واجب شرح مقرر تھی اور جو فصیلیں نشیبی زمین پر ہوتی تھیں ان کے لگان کی شرح بھاری تھی۔ پیداوار کی بہتر اجناس مثل نیشکر، تنباکو، پان پر مذکور ڈبالا دونوں قسموں سے زیادہ بھاری محصول عائد ہوتا تھا۔ باغوں اور ایسی قابل کاشت زمینوں کا محصول جہاں زمیندار کی سکونت بھی ہو عام طور پر سب سے بڑھا ہوا تھا۔ جو قطعات، قطعہ ترک، یا موت کی وجہ سے خالی ہوتے تھے وہ سب از خود زمیندار کے حق میں منتقل ہو جاتے تھے۔ وہ مجاز تھا کہ اُن تمام لوگوں کے حقوق سے انکار کرے جو بحیثیت معافی دار چھوٹے چھوٹے قطعات پر قبضے کے مدعی تھے اور عدالتی محکموں سے معافی دار پر کسی باقی و شیعے کے ذریعے جو اس قسم کی قوت حق کو ظاہر کرتا ہو جائز معافی کے ثابت کرنے کا بار پڑتا تھا۔ ایسے کاشتکاروں کے متعلق جنہوں نے کبھی اپنی اراضی کے لیے پتے یا حقوق حاصل نہیں کیے تھے اور نہ ان کے لیے درخواست کی تھی یہ قرار پایا کہ کوئی مدت زمیندار کے مطالبہ لگان کو نہیں روک سکتی۔ چونکہ وہ تادیہ مالگزاری کا ذمہ دار تھا اس کے ادا کرنے کے لیے لگان کا مطالبہ وجہ تحریک بن گیا اور کوئی ایسا زمانہ جس میں تادیہ کا مطالبہ نہ ہوا ہو یا اس سے اجتناب کیا گیا ہو حق معافی نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ اصولاً یہ سمجھا گیا کہ اکثر کاشتکار اعلیٰ زمیندار کی اجازت کے بغیر اپنی اراضی کو بیع یا منتقل نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن رعیت کی حیثیت کے بیان میں یہ بتایا جائے گا کہ عمل، اصول سے جدا گانہ تھا۔ جنگل، آبادہ زمین، جھاڑ، جنگل اور ولہل ان سب پر زمیندار کے یکساں واضح حقوق تھے۔ انہیں 'بنکار' (جنگل کی پیداوار)، 'جھلکار' (دامنی گیری کا مقام)، 'چھلکار' (شہد اور پھل)، اور 'تھلکار' (زمین پر گری ہوئی چیزیں)، کہا جاتا تھا۔ زمیندار جب اپنی زمینداری پر روپیہ خرچ کرنے تل جاتا تھا تو اس کے صرف کی عموماً یہ

صورتیں ہوتی تھیں کہ وہ ایک نالہ بنا کر اس کے ذریعے ایک بڑی دلدل کو ہاسکتا تھا جس کا پانی قریب ترین دریا میں گرتا تھا، اُجرت پر مزدوروں کے ذریعے وہ ایک بڑا غزانہ آب تیار کرتا تھا جس میں صاف و شفاف پانی کی مقدار چھ دیہاتوں تک کے لیے کافی ہوتی تھی، وہ دریاؤں اور تالابوں کے کناروں پر رنگ و خشت کے گھاٹ یا پڑاؤ تعمیر کرتا تھا مندروں کو وقف کرتا اور مدرسوں کے لیے عمارتیں بناتا تھا لیکن اپنے کاشتکاروں کے زرعی معاملات کی وہ کبھی دیکھ بھال نہیں کرتا تھا اور نہ خود کو اس بات کا کفیل سمجھتا تھا کہ ان کے لیے مکانات کا انتظام کیا جائے یا ان کی اراضی کی حصار بندی کی جائے۔

یہ ظاہر ہے کہ کارلوس نے توسیع زراعت کے متعلق ملک کے رسم و رواج کو بخوبی نہیں سمجھا۔ وہ اپنے ابتدائی مگر نہایت ضروری ضوابط میں اس توقع کا اظہار کرتا ہے کہ زمیندار بذات خود اپنی اراضی کی کاشت میں محنت و مشقت اٹھائیں گے اور اپنی اپنی متعلقہ زمینداری کو ترقی دیں گے نیز انہیں یقین دلاتا ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے اپنی ذاتی محنت کا پھل پائیں گے بغیر اس خوف کے کہ اس طرح کی ترقی زراعت اور ملکیت زمین کی افزوں شدہ قدر و قیمت کے نتیجے کے طور پر حکومت کے مطالبات میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ ان فقروں کے استعمال سے ہم اُس زمیندار کے تصور کے بارے میں جو کارلوس کے ذہن میں تھا صرف یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ وہ انگلستان کے اُس شخص کا ہم پلہ ہے جسے ترقی پسند زمیندار کہنا چاہیے جو ان مقامات پر جہاں غلہ فائدے کے ساتھ پیدا نہیں ہوتا درختوں کے نصب کرنے، کانٹوں کی باڑ لگانے، خندقوں کو خالی کرنے، ترزیمینوں کے خشک کرنے اور نہایت پسندیدہ وضع کی خوبصورت جھونپڑیاں بنانے میں اپنا سرمایہ صرف کرتا ہے۔ ابھی ابھی اس امر کا اوپر اظہار ہو چکا ہے کہ تقریباً ایک ضلع میں تالاب کھدوائے، مندر اور گھاٹ تعمیر کرائے اور نہریں بنوائے زمیندار نے بڑی بڑی رقمیں خرچ کیں۔ لیکن اس نے اپنے علاقے کی کسی زمیندار میں بدترکوبوں، جھونپڑیوں، جنگلوں اور فسادہ زمینوں کی درستگی پر یا اعلیٰ تر و مفید اقسام کاشت کے اجر پر کبھی ایک حجتہ بھی صرف نہیں کیا۔ یہ تمام بار رعیت پر

بڑھتا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ زمیندار جس کاشتکار کو کسی قطعہ زمین پر قبضہ دلاتا تھا اس کی حمایت کرتا تھا جو ہر زمانے میں ہندوستان جیسے ملک میں ناگزیر تھی۔ وہ اکثر ایسے کاشتکاروں کے لیے کسی رقیب زمیندار کی زیادتی یا دست اندازی کے موقع پر پشت پناہ ہوتا تھا۔ لیکن کاشتکار کی کھلاڑی اور پھاوڑے اور کاشتکار کی قوت بازو سے ہی جنگل کاٹے جاتے تھے اور افتادہ زمین درست ہوتی تھی۔ وہ زمیندار کے زیر سایہ دراصل اپنے مفاد کے لیے کام کرتا تھا۔ اعلیٰ زمیندار اور اس کے کارکنوں کی کسی امداد کے بغیر جس نئی زمین کو وہ درست کرتا تھا اس کے محصول کی شرح چند سال تک اکثر بہت کم ہوتی تھی۔ یہ شرح معمولی لگان کی نصف یا ایک چوتھائی یا ابتدائی بارہ ہینوں کے لیے محض برائے نام ہوتی تھی۔ بعض اوقات مقامی منتظم کے تغافل یا تساہل کے باعث کوئی زمیندار کسی فصلوں تک ——— تا دیہ محصول سے بچ سکتی تھی یا کاشتکار اس حد سے تنجا و ذکر کے زمین میں اضافہ کر سکتا تھا جس کی صراحت اس کے پٹے میں موجود ہوتی تھی۔ لیکن کاشتکار کا حشر کچھ ہی ہو اور خواہ اس کا زمیندار محصول لگانے یا وصول کرنے میں بے اعتنائی یا مستعدی سے کام لے یہ امر مسلم ہے کہ سارے بنگال میں زمیندار مطمئن حالت میں نظر آتا تھا اور کاشتکار حقیقت دار اور معمولی کاشتکار جنگل کی گھاس چوس جلاتے، ٹیار زمین پر پہل جلاتے، چاول بوٹے اور بتدریج زیادہ قیمتی پیداوار کو رواج دیتے تھے۔

ان امور کو تسلیم کرنے میں یہ لازم نہیں ہے کہ زمینداروں کی جماعت کو اس لیے قابل الزام قرار دیا جائے کہ اس نے ترقی پسند زمینداروں کے مماثل وہ درجہ فوراً حاصل نہیں کیا جس کی کارنوالس کو توقع تھی۔ زمانہ قدیم سے ملک کا دستور یہی رہا کہ کاشتکار زمیندار کے زیر نگرانی کام کرے لیکن زمیندار کی اکثر خانگی یا مقبوضہ زمینیں ہوتی تھیں جو اس زمانے کی اصطلاح میں 'نچ جوت' (Nij-jot) کہلاتی تھیں۔ ان زمینوں کے متعلق زمیندار کی عادت نہیں تھی کہ وہ اسامیوں کو یہ بتائے کہ کس طرح کھاد سے پیداوار زمین بڑھ سکتی ہے یا مختلف سطح زمینوں پر اناج

کھجور کے درخت، سن، تنبا کو یا نیشکر بولنے کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح منافع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ علم ان صورتوں میں اس کے خاص ملازم یا مزدور اراضی خاص کی کاشت کرتے تھے اور نہایت ادنیٰ نتائج پیش کرتے تھے۔ ۱۷۹۳ء کے بعد کئی سال تک زمینداروں کی بڑی غرض یہ رہی کہ رعایا کو افتادہ اور مزدور اراضی کا ٹکڑہ دیا جائے اور جیسا کہ آبادی میں اضافہ ہوتا جائے اور کاشتکاروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وسیع تر قطععات اور نئے دیہات کی احتیاج لاحق ہو۔

جدید بند و بست کے مقاصد عظیم میں سے ایک یہ تھا کہ حکومت ایک طرف کسی علاقے کے مفروضہ رقبے کی کسی زمین پر جو درست ہو کر زیر کاشت ہو یا جس پر کسی سال ہری بھری فصل کھڑی ہو کوئی محصول بطور اضافہ نہیں لگائے گی دوسری طرف زمیندار مالگزار کی معافی یا التوا کی توقع نہیں کر سکتا تھا جب کہ اس کی اراضی کو امساک باراں، سیلاب یا موسم کی کسی آفت کا سامنا ہوتا تھا۔ وہ اچھے اور برے سال کی فصلوں کو شامل کرنے اور ان دونوں کے نبھانے کا ذمہ دار تھا۔ اگر وہ ریاست کے متعلق اپنے فرائض کی باقاعدہ انجام دہی میں ناکام رہے تو کوئی عذر قبول نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کی جائیداد یا اس کا ایک حصہ جو بقایا ادا کر لینے کے لیے کافی ہو قطعاً طور پر نیلام کیا جاتا اور سب سے زیادہ بولی بولنے والے کے نام فروخت ہو جاتا تھا۔ اس کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی حصہ دار کی غفلت یا ناقابلیت کا عذر پیش کرے کیونکہ وہ ہمیشہ باقی دار کی جانب سے محصول ادا کر کے اپنے مفاد کی حفاظت کر سکتا تھا اور دیوانی نالیش کے ذریعے اس تا دبیہ کاروپہ واپس لے سکتا تھا۔ قانون بیع کی شرائط سخت تھیں لیکن ان سے اس رسم قدیم کی اصلاح ہو گئی جو باقی دار کو قید یا جسمانی سزا کے ساتھ تا دبیہ پر مجبور کرتی تھی اور مسلمانوں کی زیادتیوں اور مرہٹوں کے حملوں کی موقوفی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ زراعت میں قطعی یقینی طور پر ترقی ہوئی۔ اس سر زمین پر قدرت کے فعل ہمیشہ ایک بہت بڑے پیمانے پر اثر انداز ہوتے رہے۔ اگر خشک سالی مدت دراز تک جاری رہتی یا طغیانیاں زیادہ وسیع اور مصیبت انگیز ہوتیں جیسا کہ اکثر وسطی اور مشرقی

بنگال میں ہوا کرتا تھا تو ربداجو پانی کے لبریز ہونے سے جمع ہوتا زمین کو بلند کرتا اور اسے سیراب و شاداب کرتا تھا نیز کل اور ناگر مونٹھا کی جگہ دھان کی فصل ہوتی تھی پکھڑا اور ہل جنگل کو ناپید کرتے تھے۔ دلدل بہ کرستوار زمین بن جاتی تھی اور نئے دیہاتوں اور جھوپڑیوں کے اطراف میوے اور بانس کے درخت اُگتے تھے اور اصل جنگل کی جگہ ایک زرخیز مصنوعی روئیدگی کی ایسی ہی افراط ہوتی تھی جیسی کہ وہاں پہلے موجود تھی۔ ان تمام چیزوں سے زمیندار کے منافع میں اضافہ ہوتا تھا۔

نئے یا پرانے کاشتکاروں کو زمیندار سے جن وثیقوں کے ملنے کی توقع ہوتی تھی وہ پٹے کے نام سے مشہور تھے اور اسی ضمن میں کاشت کار بطور معاوضہ ایک اقرارنامہ دینے پر مجبور تھے جو قبولیت کہلاتا تھا۔ ان دونوں اصطلاحوں کو اکثر بیشتر عدالتی فیصلوں رسمی روادوں اور دیگر دستاویزوں میں بے اعتنائی کے ساتھ پٹے اور قبولیت کہا گیا ہے۔ حقیقت میں ایک معمولی کاشت کار کے پٹے کو انگریزی پٹے سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس میں کسی معاہدہ مقررہ کی تخصیص نہیں ہوتی ہے بلکہ اس امر کا عہد و پیمان ہوتا ہے کہ کاشتکار اپنا لگان روک نہ رکھے اور خشک سالی یا طبعانی کا حیلہ یا حق قبضہ نہ رکھنے والے شکمی کاشتکاروں یا مشترک حصہ داروں کی موت یا ترک مقام کا عذر پیش کر کے لگان ادا کرنے میں ناکام نہ رہے۔

میوے اور چوبینے کے درخت نہیں کاٹے جاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ زمیندار کے ہاتھ سے لگائے گئے تھے بلکہ یہ کہ ان کو نابود کرنے سے زمینداری کی قدر و قیمت کم ہو جاتی تھی۔ اسی طرح کوئی مالدار اسامی کسی تالاب کے کھودنے کی خواہش کرے تو زمیندار اگر چاہتا تو اس بنا پر اعتراض کر سکتا تھا کہ قابل زراعت یا مزدور رقبے کی کمی سے لگان کی ضمانت کمزور ہو جاتی ہے۔ لیکن حقیقتِ حل یہ ہے کہ اس قسم کے اعتراضات نسبت بہت کم ہوتے تھے۔ بنگال کے کئی دیہات خزانہ ہائے آب کے ناکارہ ہونے سے نالاں ہیں جو کافی طور پر گہرے ہوتے ہیں اور نہ درست حالت میں رکھے جاتے ہیں ان حقوق و اختیارات کے ساتھ ساتھ بعض ذمہ داریاں اور فرایض بھی شامل تھے۔ زمیندار یا بند تھا کہ جن سڑکوں کو ہم دیہات سے گزرتے والی سڑکیں کہو، اگے اُن برڈاک کسے لے جانے کا انتظام کرے۔

اِس ڈاک کے ذریعے پولیس کی بھاری رُودادوں کی ترسیل کے علاوہ شاذ ہی کوئی اور کام انجام پاتا تھا۔ پولیس کو مدد دینے کی ذمہ داری کے ساتھ زمیندار اس بات کا بھی پابند تھا کہ خلافِ آئین نمک سازی اور خشنواشی کی ناجائز کشت کاری کو روکے کیونکہ حکومت نے افیون اور نمک کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ گاؤں کے چوکی داروں کو تنخواہیں دینے اور اُن کی پرورش کرنے کا فرض بھی زمیندار پر عائد کیا گیا تھا لیکن کئی سال تک پولیس کے تھانوں اور نظامت عدالت اور چوکی داری کے مابین ڈاک کا انتظام ہنایت غیر اطمینان بخش بنیاد پر رہا۔

اگر کبھی مذکورہ بالا ذمہ داریوں میں سے بعض، نامناسب اور تکلیف دہ ہوتیں تو وہ چست و چالاک زمینداروں کے ہاتھوں میں جبر و قوت کا آلہ بھی بن سکتی تھیں۔ یہ زمیندار عمدہ قانونی مشورے حاصل کر سکتے تھے اور مستعد کارکن اور ملازم ان کی بخوبی مدد کرتے تھے۔ برخلاف اس کے نا تجربہ کار اور کاہل زمیندار اپنے نوکروں اور کاشت کاروں کی مختلف جماعتوں کے قریب میں آجاتے تھے اور آخر کار شکمی داریوں کے قیام کی تجویز پر مجبور ہوتے تھے جس سے وہ اپنے علاقوں پر مضلگان عاید کرنے والے سمجھے جاتے تھے بعض ہمت و حکمت ختمے ساتھ بلا پس و پیش کوشش کرتے تھے کہ قانون کی ہر ایک فصل اور دفعہ سے استفادہ کر کے قانونی ذمہ داریوں کو ذرائع منفعت میں تبدیل کر دیں۔ وہ اپنے اسامیوں کو زمینداروں کی یکے بعد دیگرے پیمائش کے لیے بھینچتے تھے اور ان تمام زمینوں پر جو اُڑوئے پٹہ متجاوز ہوتی تھیں لگان عاید کرتے تھے کیونکہ ان کو ایسا کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ اضافہ شدہ لگان حاصل کرنے کے لیے وہ متمول کاشتکاروں پر نالش کرتے تھے تاکہ بہتر پیداوار پر دستور عام کے بموجب عاید کی ہوئی شرح لگان وصول ہو سکے۔ انتظامی اور قانونی ممنوعات مکرر کے باوجود زمینداروں کے مطالبات ہوا کرتے تھے اور غیر معمولی رقوم جنہیں ابواب کہا جاتا تھا وہ اپنی زندگی کے ہر بڑے واقعے پر وصول کرتے تھے مثلاً بیٹے کا پیدا ہونا، بیٹی کی شادی ہونا، مندر کا وقف ہونا، مدرسے کی عمارت کا بننا، گھاٹ کی تعمیر ہونا، ضلع میں سے کسی اہل علمہ دار کا روانہ ہونا، حکومت سے خطاب یا خلعت فاخرہ کا حاصل ہونا، کسی بڑے

قانونی مقدمے کا ختم ہو جانا یا کوئی دوسرا اچھا یا بُرا واقعہ پیش آنا۔ اور یہ امر یقیناً قابل تسلیم ہے کہ لارڈ کارنوالس نے زمیندار کو اگرچہ ایک انگریز زمیندار کا ٹھیکہ درجہ عطا نہیں کیا تاہم اُسے غیر مطمئن حالت سے نکال کر ایک ایسی محفوظ و معین جگہ دے دی جو منفعت، حقیقت اور قوت پر مبنی تھی۔ اس میں آئندہ کوئی تبدیلی ڈھکا کے یا مرشد آباد کی کسی خود پسند بطلق العنان حکومت کے تلون کی بنا پر نہیں ہو سکتی تھی اس پر حکومت خارجہ کی ہٹلر لگائی گئی تھی جس کے منایندے اپنے قول کے پکے افراد مشہور تھے۔ مذکورہ جگہ صرف ناقابلیت یا بالارادہ غفلت کے باعث جھینپی جاسکتی تھی۔ انجام کار زمیندار اپنے علاقے سے زیادہ روپیہ پیدا کر سکتا تھا، اُسے رہن یا فروخت کر سکتا تھا اور اضافہ قیمت کے ساتھ اور حق ملکیت پر کسی اعتراض کے بغیر اپنے وارثوں اور جانشینوں پر اُسے منتقل کر سکتا تھا اور قیمت کے اس اضافے کا یا ریاست کی جانب سے آئندہ کسی مطالبے کا اس پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔

اس داستان کی محدود گنجائش میں کاشت کار کے حقوق و مفاد اور حیثیت کے متعلق اُن مختلف حقوق ملکیت کو بیان کرنا ناممکن ہے جو ایسے صوبوں میں پائے جاتے ہیں جہاں بندوبست دوامی نافذ کیا گیا ہے۔ متعدد حقوق جن کی صوبہ جات نشیبی کے مختلف اضلاع میں مختلف اشکال میں اصلیت و صداقت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہیں۔ بعض صورتوں میں ان کے امتیازات بمعنوی کی بہ نسبت زیادہ تر صورتی ہیں اور بلاشبہ مختلف دوروں میں جبکہ کاشتکاروں کے حقوق اور حیثیت کی جانچ کی گئی ہے ان کو تین بڑے درجوں میں تقسیم کرنا عام طور پر ممکنات سے سمجھا گیا ہے۔ سب سے پہلے قابل توجہ مگر نسبتاً معدوم و سچہ جیسا کہ اکثر بتایا گیا ہے وہ کاشت کار ہیں جو بندوبست دوامی سے قبل کی مستقل و مقررہ شرح لگان یا ایسی شرح کے ساتھ اراضی پر قابض ہیں جس میں تاریخ بندوبست مذکور سے کبھی کوئی زیادتی یا تسدیل نہیں کی گئی ہے۔ ان اہم حقوق اراضی کو بالعموم 'استمراری' یا 'مقررہ' کہا جاتا ہے اور ان حقوق کے ساتھ اکثر لفظ 'موروثی' لگایا جاتا ہے۔ اس قسم کے جائز حقوق پر اضافہ لگان کا کوئی مطالبہ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

دوسرے درجے میں وہ کاشت کار مقیم ہیں جو اراضی پر قابض رہیں نہ

میں شرح کے ساتھ قبضہ کے مدعی ہیں تاہم ان کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انہیں اپنے حقوق اراضی کو برقرار رکھنے کا اس وقت تک اختیار حاصل ہے جب تک کہ وہ لگان ادا کرتے رہیں اور ان پر اضافہ لگان کے لیے پُر زور دعوے کرتے پڑتے ہیں جن کو باضابطہ مقدمہ دیوانی کی رسمی کارروائی کے ذریعے ثابت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ کاشت کار ایک قسم کا حق ملکیت رکھتے ہیں اور ان کی ایک بہت بڑی اور قابل لحاظ جماعت ہے اور انفرادی و مجموعی حیثیت سے ان کے حقوق کے متعلق بڑا مباحثہ اور مقدمہ بازی ہوتی رہی ہے۔ تیسرے اور آخری درجے کے وہ کاشت کار ہیں جنہیں حقوق قبضہ حاصل نہیں ہیں۔ اس مؤخر الذکر جماعت میں اکثر کاشت کاران حقیقت دار کی شکمی رعیت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے یہ رعیت، 'شکمی'، 'کرفہ' یا 'گول جانہ' کے مختلف ناموں سے مشہور ہے۔ یہ الفاظ تقریباً مترادف ہیں اور کامل طور پر بخوبی سمجھے جاتے ہیں۔ بلاشبہ کاشتکاروں کی یہ جماعت بڑے اور چھوٹے ایسے علاقوں میں پائی جاتی ہے جو برادر است زمیندار یا تعلقدار کے تحت ہوتے ہیں۔

تمام عملی اغراض کے لیے صوبہ جات نشیبی کے کسی حصے کے کاشتکاروں کو اقسام بالا میں سے کوئی جگہ دینا مشکل نہیں ہے۔ یہ کاشتکار ایک غیر متغیر و ناقابل تغیر شرح لگان کے ساتھ ۱۹۷۱ء سے اراضی کے مالک ہیں یا ممکن ہے کہ اس کے قبل سے ہوں۔ یا انہیں حق قبضہ حاصل ہے اور قانوناً بے دخل نہیں کیے جاسکتے۔ گودیوانی نالش کے ذریعے ان کے لگان کی مقدار اس پر گنے کی جس میں وہ مقیم ہیں یا قرب و جوار کے دیہاتوں کی عام شرح کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ یا وہ ٹیکس یا ایسے کاشت کار ہیں جو حق قبضہ نہیں رکھتے اور یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ زمانہ حال میں ان کی شرح لگان کا معاملہ قول و قرار پر رہا ہے۔ موجودہ صدی کے نصف اول میں علما ان کے لگان کی شرح کا تصفیہ رواج و باہمی مفاہمت کی بنا پر کیا گیا ہے۔ یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حق قبضہ کی زیادہ توضیح کی جائے کیونکہ اس کے وجود پر شکوک قائم کئے گئے ہیں اور زمینداروں کے مفاد کی خاطر یہ ثابت کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں کہ اگر کبھی اس کا وجود تھا بھی تو اب وہ نابود ہو چکا ہے یا اس قدر کمزور ہے کہ قانونی اعتبار سے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ لیکن یہ کہنا

بہت زیادہ صحیح ہے کہ اگر حق قبضہ عہد کارنوالس کے بعد ایک مدت دراز تک قانوناً تسلیم نہیں کیا گیا تو وہ ایک ایسی شے ضرور بنارہا جس پر کاشتکاروں کی ایک بڑی جماعت کا مضبوط عقیدہ تھا۔ ادائے لگان ہندوستان میں تقریباً ہر جگہ ایک ایسا فرض سمجھا جاتا ہے جس سے کوئی کاشت کار سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اس فرض کا باقاعدہ انصرام، عزت و وقار کی علامت کے طور پر اکثر پیش کیا جاتا ہے۔ ادا نہ کرنے یا بھار کرنے کی صورت میں عذر دار پر بد معاشی کی ہر لگ جاتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس فرض منصبی کے متعلق کاشتکاروں کے ایک بڑے گروہ کی خاطر جمعی اس تسکین دہ خیال سے ہو گئی ہے کہ لگان ادا کرنے والے کسی گمان پر عدالتی حکم سے بے دخل نہیں ہو سکتے۔

بنگال کے بہت سے اضلاع میں کاشت کار قبضہ دار نے کشت کاری کی توسیع اور زراعت کی ترقی میں ہمیشہ بڑی سرگرمی دکھائی ہے۔ وہ مختلف ناموں سے پہچانا جاسکتا ہے۔ وہ بھوت دار ہوتا ہے یا گنتمی دار یا خود کاشت۔ اس آخری لفظ سے ایسا کاشت کار مراد ہے جس کی سکونت اور کاشت ایک ہی گاؤں میں ہوتی ہے۔ پشتہا پشت تک ایک ہی جگہ پر اس کے خاندان کے قیام کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اس نے دو تین یا چار مکانات بنائے ہیں۔ ان میں بانس کی لکڑیاں اور درخت کی ٹہنیاں خوبصورتی کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ گھاس کے عمدہ چھیرے علاوہ ایک سے زائد سمت ایک برآمدہ بھی ہوتا ہے اور یہ تمام عمارت خوب سنبھلی ہوئی مٹی کے ایک مضبوط پائے پر کھڑی ہوتی ہے۔ ان مکانات کی درمیانی جگہ یقیناً خلوت گاہ ہوتی ہے۔ صحن اور مسکن احتیاط کے ساتھ صاف ہوتے ہیں ان پر خوش نماد رختوں کا سائبان ہوتا ہے اور مکان سے متصل بارغ میں پھول پتوں اور پھلوں کی کثرت ہوتی ہے۔ اس جماعت کے بہت سے کاشتکار اگر مال دار نہیں تو آزاد اور آسودہ ضرور ہیں اور زمیندار اور کاشت کار کی باہمی خصوصیت کے باوجود دو یا تین پشت تک حصص ملک میں ایک عام بات رہی ہے قیاس و توقع سے بڑھ کر اس بکار آمد جماعت کے بہت زیادہ افراد نے اپنی حیثیت برقرار رکھی ہے۔ یہ نتیجہ ہے کاشت کار قوم کے ان افراد کی دلچسپی کا جو اپنے پیدا ہونے والے گاؤں اور آباد اجداد کے مسکن کی ولولہ انگیز محبت رکھتے ہیں نیز اس ہر دل عزیز

اور خوب دل نشین عقیدے کا کہ انہیں قانونی چارہ جوئی کے ذریعے بے دخل کر کے کاننیلر کو کسی وقت بھی اختیار نہیں ہے اور وہ شافی ایسا ارادہ کرتا ہے۔ اور خاص خاص معاملہ میں اختیارات کا ناجائز استعمال کرنے اور قانون پولیس اور حکام عدالت سے بے امتیازی اور مقابلہ کرنے کی نظر اس امر کا ثبوت نہیں ہیں کہ جان بوجھ کے اُس حد قانون سے متجاوز ہونے کا قصد کیا گیا ہے جسے عام قانون ملک کہا جاتا ہے۔

چونکہ بہت سے امور خود کاشتکار پر چھوڑے گئے تھے اس لیے وہ زراعت و پیداوار کے تمام کاروبار میں مختار کل تھا۔ کسی زمیندار نے فصلوں کے دورِ قائم کرنے لکھا اس بات کو اس کی نگاہ پر جلائے یا اُن عام شرائط میں سے کسی پر اصرار کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں کیا جنہیں قبول کرنے کے لیے دوسرے مالک کے کاشتکاران اجارہ دار مجبور کیے جاتے ہیں۔ کاشت کار حقیقت دار اور غیر قصہ دار بھی اپنا ذاتی مکان تعمیر کرتا ہے۔ خاص اپنا سامان ہیا کرتا ہے پتلی باڑیں لگاتا ہے۔ اپنی زمین سے پڑوس کی جانب غیر ضروری پانی بہانے کے لیے نالہ بناتا ہے۔ مٹی کے چھوٹے بند کا خرچ اٹھاتا ہے جو میدان کی آمد و رفت اور علاقوں کی حد بندی کا کام دیتا ہے۔ اعلیٰ تر اور زیادہ نفع بخش پیداوار کی اقسام پر وقت اور روپیہ صرف کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ اعلیٰ زمیندار کی نصیحت بدایت یا مزاحمت کے بغیر وہ اپنی زمین پر بہت کچھ کر گزرتا ہے۔ زمین کے ساتھ دہائی دلچسپی کے یہ واضح اور مسلم ثبوت ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں کے حقوق و اختیارات کے وجود پر پوری طرح منطبق ہوتے ہیں۔ اس داستان کے کسی سابق حصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ کاشت کار سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے خاص علاقے کی بیج یا اتمتال کی اطلاع اپنے بالادست کو دے۔ لیکن یہ فرض اگرچہ اصولاً تسلیم کیا گیا تاہم عمل میں اس سے اکثر اعراض کیا گیا۔ یہ بالکل نشینی امر ہے کہ کسی کاشت کار کی موت یا جمع کا ایک خاص بازاری نرخ ہوتا تھا۔ عدالت سے اجرائے ڈگری کے باعث اسے اکثر نیلام عام میں رکھا جاتا تھا اور اس پر بولی بولی جاتی تھی اور زمیندار کا ذرا بھی لحاظ کیے بغیر خریدار اسے مول لیتے تھے اور تقریباً اسی طرح علاقے خانگی معاہدے کی بنا پر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں چلے جاتے تھے۔

بعض اوقات کسان اپنے علاقے سے دست بردار ہوتا تھا اور محض کاشتکار

کی حیثیت سے پھر مقرر ہوتا تھا۔ اکثر اوقات وہ اپنا علاقہ اپنے ہی زمیندار کو دے دیتا تھا اور بعض مواقع ایسے بھی پیش آئے ہیں کہ زمیندار دھکی، ایذا رسانی اور انتقام کی غرض سے اُن علاقوں کو خرید کر تاجا جو کسی پڑوسی اور حریف کی جائیداد میں واقع ہوتے تھے۔ دوسری صورتوں میں خود زمیندار نے کاشتکار کے علاقے علانیہ و جائز طور پر اور بالکل منشاء قانون کے مطابق خریدے ہیں۔ اگر زمیندار کے پاس قسم مطلوب کی کوئی خالی زمین نہ ہوتی اور اُسے باغ لگانے، مندر بنانے یا تالاب کھودنے کے لیے ایک چھوٹے قطعے کی خواہش ہوتی تو وہ اس غرض کے لیے اپنے کاشت کار سے باہمی قرار داد کے ذریعے زمین حاصل کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔

معاوضے یا قیمت کے بغیر جبر کے ساتھ کاشت کار سے زمین کی حوالگی کے مطالبے پر قانون، رواج یا رائے عامہ سے زمیندار کی کوئی حمایت نہیں ہوتی تھی۔ انگلستان میں اعلیٰ زمیندار کا اس قسم کا کوئی مطالبہ مزروعہ زمین یا اس کے کسی حصے کو مالک کے قبضے میں رکھ چھوڑنے سے سالانہ یا میعادہ ٹھیکے کے اختتام پر باسانی پورا ہو سکتا تھا لیکن کارنوالس نے میعادہ ٹھیلے یا محصول کی اُن شرحوں کا جو ٹھیکے پر مبنی تھیں کوئی طریقہ معلوم کیا اور نہ نافذ کیا۔ بعض کاشت کاروں کے حقوق اور رسم و رواج بادی النظر میں مخالف اور متضاد دکھائی دیتے ہیں لیکن فی الواقع ان میں صریح یکسانی اور تفریقِ بخوبی ہو سکتی ہے۔

ایک طرف زمینداروں کو بالعموم اس بات کا کامل طور پر خوب علم ہے کہ وہ کس حد تک اپنے حقوق جتا سکتے ہیں اور کس وقت قانون سے ان کی مخالفت یا تقویت ہو سکے گی اور دوسری طرف کاشت کار اگرچہ بارِ محصول سے دبائے جاتے ہیں، گماشتوں کے ہاتھوں بدسلوکی اٹھاتے ہیں اور زمیندار کی گوناگوں خواہشوں اور ضرورتوں کے لیے مزید سرمایہ ہیا کرنے پر مجبور کیے جاتے ہیں تاہم انھوں نے چالاکی سے ظلم و تعدی کا اکثر کامیاب مقابلہ کیا ہے، اپنے موقعوں پر محافظت کے لیے قوتِ اتحاد سے کام لیا ہے،

اور اپنی اراضی پر قبضہ قائم رکھا ہے یہاں تک کہ ان کی حیثیت کی توضیح کی گئی، از روئے قانون اسے ناقابلِ تغیر قرار دیا گیا اور آخر کار قانونی عدالتوں میں بھی اس کی تائید کی گئی۔



تیسرا باب

اصول و نتائج

اس باب میں زمینداروں اور کاشتکاروں کے حقوق و فرائض کے علانیہ تصادم کے متعلق چند اور رائیں معلوم ہوں گی۔ اس میں اُن آئین کا خلاصہ دیا گیا ہے جو بند و بست دوا می کی تشریح کے لیے ضروری ہیں لیکن ملک کی حالت پر اس قانون کے دیگر اثرات اور بانی قانون کی توقعات کی تکمیل یا عدم تکمیل کے بارے میں اب چند باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ قانون کے منشا کے متعلق اخبارات کی رائیں قابل قدر ہیں۔ مئی ۱۸۷۷ء کی اکیسویں تاریخ کو کلکتہ گزٹ کے مدیر نے اس اعلان پر اظہارِ اطمینان کیا کہ اس سال ستمبر میں صوبہ بہار کا محصول دوا می طور پر مقرر ہوگا۔ مدیر مذکور نے بیان کیا کہ ”ہم یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ خاص قوانین کی دوسے زمینداروں کا مستقل حتی ملکیت اُس اصول کے مقابلے میں تسخیم کیا جاتا ہے جس کی تائید بعض نے اس خیال سے کی ہے کہ زمیندار اور تعلقدار محض سرکاری عہدہ دار ہیں اور فرمان روا اراضی کا اصل مالک ہے جس پر وہ بحیثیت حکمران کے محصول عائد کرنے کی بجائے بحیثیت مالکِ زمین کے

اُسے پتہ پر دیتا ہے۔ اس بارے میں اب جو فیصلہ ہوا ہے اس سے نہایت اہم فوائد کی توقع کیجاتی ہے۔ مالک اراضی کو اپنے ذاتی مفاد کا خیال پرہیز ہوگا کہ وہ اپنی پوری قوت و کوشش سے اپنی جائداد کو ترقی دے گا اور اُسے اس بات کا خوف نہ ہوگا کہ سرکاری محصول میں اضافہ ہونے سے اس کی محنت کا پھل ضائع ہو جائے گا اور کسی دوسرے انتظام کی بنا پر جس سے اس کی اراضی کی پیداوار بڑھنے کا امکان ہو وہ اپنی جائداد سے بے دخل کر دیا جائے گا۔ ساتھ ہی اس کے مدیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس ملک میں سالہا سال کی ایک طویل مدت کے لیے محصول کا بندوبست کرنے سے عظیم تر فوائد برآمد ہوں گے یہ نسبت اُن کے جو ظاہر ہو چکے ہیں۔ ”محنت کا کچھ معاوضہ قرار دینے سے جس میں سرکاری محصول کے متعلق کوئی نہ ہو یہ ممکن ہے کہ ترقی کی بڑی بڑی تجارتی و زرعی عمل میں لائی جائیں، زراعت بڑھے، تجارت کو فروغ ہو، زمیندار خود کے متمتع ہونے کا یقین کر کے اپنے شکمی داروں کو لگان کے بارے میں اذیت دینے کا مخالفت رہے اور یہ شکمی دار ایک ایسے ملک میں جہاں آجروں کی نہیں بلکہ کسانوں کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے کسانوں کی حوصلہ افزائی کرنے میں دلچسپی لیں۔ مختصر یہ کہ بندوبست دوا می سے رعایا کے ادنیٰ تر طبقے کے امن و آرام، متوسط اور اعلیٰ تر درجے کے لوگوں کی دولت میں اضافے اور سرکاری محصول کی باقاعدہ وصول یابی کا یقین ہوتا ہے۔“

مدیر مذکور نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ گورنر جنرل نے یہ اہم فیصلہ کر لیا تھا کہ گنچ، بازار ہاٹ اور دوسرے ابواب کا محصول جو عام طور پر سائٹر کہلاتا ہے وصول کرنے کا کام براہ راست حکومت کی نگرانی میں لے لیا جائے۔ یہ فیصلہ محصول ادا کرنے والے نسبتاً آتمغا، اریچہ، جاگیر اور دیگر معانی دار علاقوں سے متعلق تھا۔ اس امر کا ابھی ذکر ہو چکا ہے کہ مذکورہ بالا تجویز بحث و مباحثہ اور غور و خوض ہوا تاہم گنچ، بازار اور ہاٹ کا الحاق زمینداریوں کے ساتھ کیا گیا البتہ سائٹر یا راہ داری کا محصول اٹھا دیا گیا۔

تینوں صوبوں کے لیے بندوبست دوا می کا اعلان ہونے کے بعد

مدیر نے جو مضمون لکھا وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس قدر بلند پایہ ہے کہ اسے بجنہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ اس زمانے میں ہندوستان کے اخباروں کا آغاز ہوا تھا اور انہیں ہر ایک سیاسی امر پر بحث کرنے کی آزادی نہ تھی۔ ایک جدید اور اہم قانون پر اس اہل قلم کے خیالات دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے اور اگرچہ وہ بالکل آزاد طبع نہیں سمجھا جاسکتا تاہم عوام کو حکومت کے خیالات و مقاصد سے واقف کرانے کا اس نے بیڑا اٹھایا تھا۔ یہ خیالات و مقاصد ان ابتدائی امتحانات سے کچھ ملتے جلتے ہیں جو ایک ایسی بڑی تاریخی کتاب یا نظم پر ہوتے ہیں جس کی شہرت بعد کو یقینی ہوتی ہے۔ ۹ مئی ۱۸۵۹ء کو مدیر کا جو مضمون شائع ہوا وہ ذیل میں درج ہے۔

”ہم نہایت مسرت کے ساتھ عوام کو ایک ایسے واقعے کی اطلاع دیتے ہیں جو ہندوستانی زمینداروں سے بالتراس تعلق رکھتا ہے اور بلاشبہ ان صوبوں کی فلاح و بہبود کے لحاظ سے اسے بہت بڑی سیاسی اہمیت حاصل ہے۔ یہ واقعہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں گورنر جنرل باجلاس کونسل کا جاری کردہ ایک اعلان ہے جس کی رو سے وہ ’جمع‘ جو سرکاری محصول کے ضابطہ بند و بست دہ سالہ کے تحت بنگال، بہار و اوڈیسہ کے مختلف النوع مالکان اراضی کے قطعات پر مشتمل ہوئی ہے اس وقت سے دوامی طور پر مقرر کی جاتی ہے۔“

اس اعلان کی مختلف دفعات کی بنا پر جمیع مدارج کے مالکان اراضی کے حقوق کی توثیق اور متعدد چھوٹے چھوٹے ابواب کی موقوفی کے باعث جو فوائد ہر لحاظ سے حاصل ہوں گے ان کی تفصیل میں پڑنے سے سلسلہ بیان نہایت طویل ہو جائے گا اور اسے ہم صرف نامکمل طور پر ظاہر کر سکیں گے لیکن محصول اراضی کے بند و بست دوامی کی اہم غرض و غایت کے متعلق ہمارا یہ خیال ہے کہ اس میں علیٰ منفعت کے ساتھ ساتھ سیاسی صداقت بھی شامل ہے اور اگرچہ اس کی تعریف و اعتراف امکان سے باہر ہے تاہم اس کے اظہار کی ہم کوشش

کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

فلسفیوں اور مال کے ماہروں کے مابین یہ مسئلہ اکثر زیر بحث رہا ہے کہ آیا زمین کا محصول ایک خاص جمع بندی کے مطابق مقرر ہونا چاہیے جس میں بعد کو کوئی تبدیلی نہ ہو یا ایک ایسے تخمینے پر اس کا تعین کیا جائے جو زمین کے واجبی محصول کی ہر تبدیلی کے ساتھ بدلتا رہے اور کاشت کی زیادتی یا کمی کے لحاظ سے بڑھتا یا گھٹتا رہے۔ حکومت نے فی الحال پہلی صورت اختیار کی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ دوسری صورت خواہ بظاہر درست ہی کیوں نہ ہو ایک غلط اصول پر مبنی ہے کیونکہ اس میں بحث کی خاطر یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ بڑی بڑی ترقیاں ترو پذیر ہوں گی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سرگرمی اور ترقی کے ہر زینے پر بہت بڑی رکاوٹ پیدا کرتی ہے مثلاً یہ کہ حکومت جو اس کے اخراجات میں ہاتھ نہیں بٹاتی منافع کے اضافے میں سے ایک حصہ لے لیتی ہے۔

سابق الذکر صورت میں حکومت نیز ہر فرد کے لیے محصول اراضی کا تعین ہو جاتا ہے۔ اور کوئی شے ایک کے بیجا تصرف یا دوسرے کی حیلہ بازی یا بددیانتی پر نہیں چھوڑی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مالک اراضی کو اپنی جائیداد کی قدر و قیمت بڑھانے کی بہت بڑی ترغیب ہو جاتی ہے کیوں کہ جب اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے تو نہ صرف اس کی عام آسودگی اور دولت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے بلکہ پیداوار اور اضافہ شدہ مالیت کے مقابلے میں مقرر محصول کی شرح کم اور اس کا پار بھی کم معلوم ہونے لگتا ہے۔ حکومت بھی گوبالواسطہ سہی ان فوائد سے بہرہ اندوز ہونے میں شریک رہتی ہے کیوں کہ پیداوار کی زیادتی کا فوری نتیجہ ملک کی آبادی میں اضافے کا باعث ہوتا ہے جس کی محنت و مشقت کا رخ پھر کشت کاری کی جانب پھرتا ہے یا زیادہ تر کارخانوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو اپنی صنائع پر چلتے ہیں۔ یہ ہیں وہ نتائج جن کا اس اعلان کے مشہر کردہ ہمدردانہ و دانشمند اصول سے برآمد ہونا ضروری ہے۔ اس اعلان سے ہماری مشرقی حکومت کی

تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ لہذا ہندوستانیوں کو چاہیے کہ اسے نعمتِ غلطی خیال کریں جو انہیں کئی صدیوں کے لیے عطا کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں مالگزاروں کی تشخیص متعدد ظالمانہ طور و طریق پر کی جاتی تھی۔ اس تشخیص کی شرح جب سے کہ انگریزان صوبوں پر قابض ہوئے ہیں مختلف رہی ہے اور اس میں اکثر اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس بے ضابطہ بندوبست کے بڑے نتائج شدت کے ساتھ محسوس کیے گئے۔ ان کی اب کافی تلافی ہو جائے گی۔ بندوبست وہ سالہ کے ذریعے مالگزاروں کو ایک معین اور ناقابلِ تغیر شرح تشخیص کے ساتھ واجبی صورت میں رکھا گیا اور مجلسِ نظام کی منظوری حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ بندوبست اب دوامی کیا جاتا ہے۔

’جمع‘ کی رقم مقبول ہونے کا کافی ثبوت یہ ہے کہ گذشتہ سال بحرِ دو زمینداروں علاقوں کے حکومت کو پوری مالگزاری وصول ہوئی، یہی نہیں کہ اب کچھ بقایا نہیں رہی بلکہ سابق بقایا کی رقم بھی وصول ہوئی۔ ان تجاویز سے حکومت کو ایک مستقل آمدنی مالگزاری اور افسرِ ادکو ملکیت زمین کے متعلق اطمینان ہو گیا ہے اور ہندوستانیوں کے لیے دولت اور خوش حالی کا باب کھل گیا ہے تاکہ وہ اپنی اراضی کی کاشت و ترقی میں اپنی مرضی کے موافق محنت کریں اور سرمایہ لگائیں۔“

مضمون بالا سے ظاہر ہو گا کہ مدیرِ مذکور اس جھانے میں شریک ہے کہ مالکانِ اراضی اپنے علاقوں کی ترقی میں خود سرمایہ لگائیں گے۔ کارخانہ جاتا اور صنعتی کارہائے عظیم کی نسبت اس کی توقعات یقیناً کچھ قبل از وقت تھیں، لیکن اس خیال کی کوئی تردید نہیں ہو سکتی کہ اعلانِ مندرج بالا سے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے اور یہ اعلان حیرت انگیز طور پر مسلمان صوبہ داروں اور ایک حد تک اینگلو انڈین حکومت کے اس طریقے سے مختلف ہے جو بیس سال سے زائد مدت تک جاری رہا۔ جیسا کہ کارنوالس متوقع تھا زراعت کو سرعت کے ساتھ فروغ دیا گیا۔ اراکان سے ماگھوں کے حملے

جوسو لھویں صدی میں برابر ہوتے رہتے تھے نیز اٹھارویں صدی کے اوائل میں مرہٹوں کے دھاوے یہ سب ختم ہو چکے تھے۔

اس طرح بنگال کے کسان ہمد کارنوالس سے قبل بیرونی لوٹ مار سے محفوظ ہو گئے تھے اور روز افزوں ترقی کے ساتھ ساتھ ان مقامات پر دیہات قائم کرنے کے قابل ہو گئے تھے جہاں جنگی سورہرن اور شیرپائے جاتے تھے اور اب انہیں صرف اپنے ہی ہم وطنوں کی دست درازی و سخت گیری کا مقابلہ کرنا تھا۔ انتظامی قوت کی غیر حقیقی و ظاہری ٹیپ ٹاپ بھی تھی اور لوگ اندھا دھند یہ سمجھتے لگے تھے کہ آئندہ ان کی جان و ملک مطلق العنان حکمرانوں کی رضا و رغبت اور تنوں کی تابع نہ ہوگی۔ بہر صورت یہ بالکل یقینی امر ہے کہ کسان قدرتی ذرائع کی مدد سے جلد جلد غیر مزدور و عہدہ اور افتادہ اراضی کے رقبے کو گھٹاتے اور دلدلوں پر یورش کرنے لگے۔ بارش کی کثرت اور خلیج بنگال میں گرنے والے جن دریاؤں کا جال بن گیا ہے ان میں سے متعدد دریاؤں کی طغیانی کا اثر یہ ہوا کہ زمین کی سطح بتدریج بلند ہوگئی دلدلوں میں متحد جمع ہوگئی اور پھیلیوں کے پھاٹنے کے حلقے اور چڑی مادوں (میا دوں) کے جال کی جگہ ہل چلنے لگا۔ اس داستان کے مصنف کو مشہور و معروف اعلان کے وقت بند و بست دوا می کی ضرورت عظیم کے متعلق بعض ہنایت لائق جج جو رائے رکھتے تھے اُسے بذات خود ایک ایسے عہدہ دار دیوانی کی زبانی سننے کا موقع ملا تھا جس کا زمانہ کارگزاری بنگال کے عملے میں ۱۸۴۵ء سے شروع ہو کر پچاس سال سے زائد مدت کی مسلسل ملازمت کے بعد ۱۸۷۵ء میں ختم ہوا۔ عہدہ دار مذکور کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسی رائے تھی جس میں گورنر جنرل کی مرضی کو دخل کی گنجائش نہ تھی۔ بعض اضلاع میں سرکاری مالگزاری کی وصولیابی کے لیے بغرض تقرریوں و اشخاص

۱۔ سٹریٹس پیٹل مرحوم جو اپنی تاریخ وفات ستمبر ۱۸۷۵ء تک کئی سال کے لیے مجلس مال کارکن اعلیٰ رہا۔

کا حاصل کرنا دشوار تھا۔

اس سے زیادہ دشواری انہیں ان کی خدمات پر برقرار رکھنے میں پیش تھی۔ جو اضلاع باسانی قابل کاشت ہو سکتے تھے وہ سب کے سب گھاس کے جنگل اور نرکل سے پیٹے پڑے تھے۔ بعض اضلاع میں سیال کے قدیم جنگل پر اور دیگر ساگون کے درختوں پر کھاڑی نہیں چلائی گئی تھی۔ بہت سی عام سڑکوں پر یا یوں کہا جائے کہ آمدورفت کے اُن خراب راستوں پر جو سال میں کم از کم پانچ مہینوں تک چاک دار گاڑیوں کے لیے ناقابل گزر بنے رہتے تھے ڈاک کے پرکاروں کو متواتر شیر اٹھالے جاتے تھے۔ یہ ایک خوش انداز بحث تھی کہ کسی ایسی ذمہ داری کے بغیر جس کی بنا پر حصول اراضی میں کوئی اضافہ نہ ہو طرعی زمینداری اگر ناکام نہ بھی ہو تو وہ کسی وقت بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ امر تسلیم کیا جا چکا ہے کہ متاخرین کے فیصلے نے شور کی زیادہ دانشمندانہ رائے پر فہر صد اقت لگادی ہے۔ بندوبست دومی کے بہت سے فوائد یکساں طور پر ساہا سال کی دراز مدت کے بندوبست سے حاصل کیے جاسکتے تھے۔ یہ بالکل درست ہے کہ کارنوالس کی لبست رائے قائم کرنے میں اُن سخت مشکلات کو پیش نظر رکھا جائے جن کا اُسے مقابلہ کرنا پڑا۔

بہت سی امدادی تدابیر جو انتظامی اور قانونی حیثیت سے بندوبست دومی کی پوری کامیابی کے لیے ضروری تھیں فوراً بروئے عمل نہیں لائی گئیں اور ان میں سے بعض تو فی الحقیقت بلاوجہ بلکہ بیجا طور پر ملتوی کر دی گئیں۔ ان کا اجمالی ذکر اس باب میں کیا جائے گا جس میں آئین مابعد کا بیان ہوگا۔ تدابیر مذکورہ میں ناجائز معافی دار علاقوں کی بازیافت، سرسری کارروائی کے ذریعے حصول لگان کی سہولتوں کا اجرا اور ۱۸۵۷ء میں اور پھر ۱۸۵۸ء میں حقیقت دار کاشتکاروں اور دیگر لوگوں کے حقوق کا تحفظ یہ سب امور شامل تھے۔

۱۔ ایک قسم کے دخت کا نام ہے جس کی ٹکڑی بہت مضبوط ہوتی ہے۔

لیکن ایک لحاظ سے بندوبست دوامی کی کماحقہ قدر نہیں کی گئی۔ یہاں یہ بات دیکھنے میں آئی کہ مشرقی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک غیر ملکی حکمران نے خود کو اور اپنے جانشینوں کو محصول اراضی کی میعاد کی تشخیص سے باز رکھا، کمزور و کاٹھریا ایک نیا گروہ پیدا کیا، جائداد کی حقیقت اس کے مالک کی لڑائی یا حاکم وقت کی تاکید پر نہیں بلکہ ایک نئی بنیاد پر قائم کی اور اضافہ شدہ آبادی اور پل اسن و امان کی بدولت جو فائدہ حاصل ہوا وہ سب کا سب زمینداروں کے لیے وقف کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ اس قدر امتداد زمانہ کے بعد یہ امر بالکل سہل نہیں ہے کہ بنگال اور بہار کے بڑے بڑے زمینداروں اور ہمسایہ ریاستوں کے سرداروں اور شہزادوں کے قلوب پر ایسی خلاف توقع روش رکھے جس سے نتیجہ کا اندازہ کیا جائے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اس قسم کی حکمت عملی کو ہندوستانیوں نے کمزوری اور خوف سے منسوب کیا۔ دوسری صورتوں میں خواہ کیسا ہی اعتراض ہو اور ضرورت اتحاد کی مناسبت سے استقلال اور حقیقی انصاف کے ساتھ مشرقیوں پر حکومت کرنا کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کارنوالس کی اعتدال پسندی اس کی کمزوری پر محمول کیجاتی تھی۔ یہ اعتدال پسند انتظام اگر تمام صوبے کے واسطے باعث برکت نہیں تو ایک طرح کا سہارا ضرور سمجھا گیا ہوگا۔ اگرچہ بندوبست دوامی کے اہم فوائد ایک ایسے بندوبست کے ذریعے سے بھی جو ایک طویل مدت کے لیے ہو حاصل کیے جاسکتے تھے تاہم اس کے متعلق یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ بنگال میں میعاد کی تشخیص مالگزاروں سے دوسری قسم کی خرابیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ بنگال ایک ایسی جگہ ہے جہاں لوگ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے باشندوں کی بہ نسبت زیادہ گریز اور حیلے حوالے کرتے ہیں جنہیں مثلاً کمزور اشخاص کے ذریعے مطلب براری کہا جاتا ہے۔ دوسرے صوبوں میں جب مالگزاری کی جدید تشخیص کا زمانہ قریب آتا ہے تو باشندوں کے دلوں میں کسی قدر بے اعتمادی اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے۔ دولت چھپائی جاتی ہے۔ کھیت

قصداً بغیر کاشت کے چھوڑ دیے جاتے ہیں اور اضافہ محصول سے بچنے کے متعدد ناجائز طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ خلل انداز کارستانیوں بنگال میں تیزی کے ساتھ ضرور بروئے عمل ہو جائیں۔ علاوہ بریں ایک ایسے دولت مند اور ذی اختیار طبقے کے فواید کا متجاوزانہ اندازہ دشوار ہے جسے انقلاب میں سب کچھ کھو دینا پڑے اور حاصل کچھ نہ ہو۔

یہ صورت حال غدر کے وقت صاف طور پر نظر آئی اور تسلیم کی گئی۔ اس ہنگامہ خیز سنہ میں صوبہ جات نشی میں محدودے چند بڑی فوجی چھاؤنیاں تھیں۔ یہاں غارت گری، لوٹ مار اور طوائف الملوکی کے ناگزیر لوازم کے ساتھ سپاہ کی بناوٹ عظیم کے عناصر اس کثرت سے نہیں تھے جیسے کہ صوبہ جات بالائی میں پائے جاتے تھے۔ اُس وقت بھی جب کہ سپاہیوں کے منتشر دستے سرکش ہو گئے اور انہوں نے ڈھاکے، چٹگانگ اور بیربھوم میں بناوٹ کی تو وہاں کے زمینداروں کی جانب سے ان کی کوئی حمایت نہیں ہوئی۔ سپاہی قواعد و ان کی جنگ کی تعلیم پائے ہوئے تھے۔ وہ باقاعدہ طور پر غیر جنگجو آبادی کے درمیان مسلح رہتے تھے جس کا بہادر ترین شخص جنگی درندے کو مارنے کے لیے ایک توڑے بندوق استعمال کرنے اور وہی مناقشے میں دشمن پر بھالا چلاسنے سے زیادہ کچھ ادا نہ جانتا تھا۔ لیکن جب چھاؤنی پر جہاں صرف ملٹری بھرا گریز تھے انہوں نے حملہ لیا تو ان کا سخت مقابلہ کیا گیا اور پہلے ہی وار میں سپاہیوں نے دیہاتوں اور جنگلوں کا رخ کیا۔ بعد ازاں وہ زمینداروں کے غیر متاثر طریقے غیر ہمدردانہ بتاؤ اور وفا شعارانہ خاموشی کو دیکھ کر سراپا سرد ہو گئے۔ دوسرے صوبوں میں دیہی جماعتوں کی تنظیم طوائف الملوکی کے سیلاب کو روکنے میں قطعی بے سود ثابت ہوئی لیکن تنظیم دیگر امور کے لحاظ سے قوم کے حق میں مناسب اور قابل تعریف تھی۔ مذکورہ بالا تنظیم کی شہرست واجب طور پر اعلیٰ ترین قسم کی انتظامی قیادت کے جلوہ گاہ کی حیثیت سے ہو گئی تھی۔ ایسے اشخاص نے جن میں بڑی تجربہ کاری، مع الفطری اور عملی ہمدردی موجود تھی بہت ہی عجیب اور مختلف رنگ و ہنگام ملکیت جو پٹہ داری، کہلاتی تھی وضع کی تھی یا اسے تدریجی زوال سے بچایا تھا۔

ان لوگوں نے علم المعیشت کے اصول کو باطل کر دکھایا تھا اور قدیم موروثی کسانوں کو زمین کی کاشت پر لگا کر معاشری قوتوں کے اثرات پر تقریباً غلبہ حاصل کر لیا تھا تاہم سپاہیوں کی سرکشی اور برطانوی اقتدار کی عارضی تاریکی کے ساتھ یہ اجزائے نظام جو اس قدر تجربے اور انسانی ہمدردی کا نتیجہ تھے خود بخود ٹکرائے یا درہم برہم ہو گئے۔ بنگال میں امن عام کو بہت کم صدمہ پہنچا تھا۔ بہار میں کوئٹہ سنگھ کی بغاوت واحد استثناء تھی۔

قحط و مصیبت کے زمانوں میں حکومت متمول زمینداروں کے اشتراک عمل کا مطالبہ کرتی رہی ہے جو متعدد مواقع پر بلا پس و پیش پورا کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ کہیں کہیں ایسے حالات بھی رونما ہوئے جہاں زمینداروں نے تنگ دلی و خود غرضی سے کام لیا لیکن اکثر مبصرین آج تک اس رائے پر قائم ہیں کہ ان صوبوں کی بہ نسبت جہاں دیہی جماعتوں کے سرداروں یا مدراس کے قاعدے کے مطابق ہر کاشت کار کے ساتھ بالتراس بندوبست کیا گیا ہے بڑی بڑی زمیندار ہیں زیادہ آسانی سے قحط کا مقابلہ کیا جاتا ہے امدادی کام جلد شروع ہو جاتا ہے اور رسد کی منتقلی میں دقت نہیں ہوتی ہے چنانچہ ترجمت کا قحط ۱۸۷۲ء میں یقیناً ایک بر محل مثال ہے اور ایک ایسے ملک میں جہاں ابھی تک معاشری امتیازات اور لامساوات نے عوام کو گرویدہ کر رکھا ہے بعض بڑی زمینداروں کا قیام بالکل ہندوستانیوں کے منشا کے مطابق ہے اور اس میں سیاسی فوائد بھی مضمر ہیں جن سے خرابیوں کی تلافی یا بہر طور جانچ ہو جاتی ہے۔

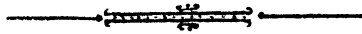
لیکن مجملآب اس سوال پر بحث کی گنجائش نہیں کہ آیا شور کی تجویز سے جو تساہل پر مبنی تھی کوئی اشارہ کرنا پڑتا۔ زمیندار حقیقت اراضی کے تحفظ اور معمولی اختیارات کی مسلم حقوق کی صورت میں تبدیلی کے ساتھ ایک طویل مدت کے بندوبست کو قبول کرنے پر راضی ہو جاتے۔ حکومت کے دستور اور ملازما دیوانی کے فرائض اور معاوضہ خدمت میں تبدیلی کر کے جس کا بیان آگے آئے گا حکومت ہند ہندو داروں کی ایک ایسی جماعت کو تعلیم دے سکتی تھی جو زراعت کے طریقوں کا گہرا علم حاصل کرتی اور نظم و نسق کے اصول اور ذیلی امور پر کامل ہند

رکھتی۔ طریقہ زمینداری کی ہر میعاد یا کسی وقت کی تشخیص پر بہتر و فوری معلومات کے ذریعے تقاضے کی ضرورت جانچ پڑتال ہوتی اور بہت جلد ان کی اصلاح بھی ہو جاتی۔ یہ تشخیص غالباً اس پہچان کی پیدا کردہ قیامت پر غالب آجاتی جو قانون مالگزار کی تبدیلی کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ جیسا کہ واقعات سے ثابت ہوا ہے پٹہ داروں اور شتمنی داروں کے نفع کے متعلق جو کارروائی کی گئی اس کے لئے حکومت یوں مجبور تھی کہ بہ تقاضائے وقت حکام ضلع کی عرضداشتیں پیش ہوتی تھیں، کاشت کاروں کی جانب سے متواتر زبردست ہنگامے وقوع میں آتے تھے اور ایسی زیادتیاں سرزد ہوتی تھیں کہ وہ ناظم اور جج جو ان زیادتی کرنے والوں کے فیصلے کرتے تھے اکثر یہ خیال ظاہر کرنے پر مجبور ہوئے کہ زیادتیوں کے بارے میں گونا گوں عذرات کیے جاتے ہیں۔

تاہم یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک صدی قبل صوبجات تیشی کا بند و بست کسی پامال طبقے کے مطالبات یا آزاد و مختار اخبارات کے واقف الحال اہل قلم کی طویل بحث و محصل کے باعث عمل میں نہیں آیا بلکہ اس زمانے کی مشکلات کے سلسلے میں صرف وہی ایک صورت تھی جو بعض افراد کو ممکن نظر آئی۔ بند و بست مذکور کے خالص تجارتی و مالی پہلو پر غور کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئندہ مالگزار کی کے متعلق ایک بڑا اشارہ لازم آتا ہے۔ انتظامی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس کی تکمیل کے لیے زیادہ قانونی تشریح اور سخت عملی نگرانی کی علانیہ ضرورت پائی جاتی ہے۔ لیکن جب ہم اس پر صرف سیاسی اعتبار سے نظر ڈالتے ہیں تو وہ خوف و خطر کے دُور کرنے اور شک و شبہ کے رفع کرنے کا ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بغاوت و مصیبت کے زمانے میں عمدہ طرز عمل کا اور اثر پذیر و فاداری سے تجاوز کر کے ثابت قدمی جیسی شے کا زبردست محرک بھی ثابت ہوا ہے۔

اس بند و بست کے بعض بنیادی اصول معقول اور بکار آمد تھے چنانچہ محض ہندوستانی گماشتہ تحصیل کی حیثیت بدل دی گئی خواہ وہ آئندہ موروثی ہو سکے یا نہ ہو سکے برہمنائے حقوق کراچوں، سرداروں اور دوسرے اعلیٰ زمینداروں

کے مدارج تسلیم کیے گئے۔ اعلان کے اہم و منجیدہ الفاظ کے ذریعے قلیل البعاد و عارضی تجاویز جو سرکاری محاصل کی وصولیابی سے متعلق تھیں موقوف کر دی گئیں۔ اضافہ لگان کی توقع سے دانشمندانہ انتظام کی ترغیبات پیدا ہوئیں اور تحفظ کا احساس، محدود ملکیت اور منتقلی و فروخت کا اختیار یہ سب امور اصولاً یا کیزہ تھے۔ صرف تجربے اور میراث ناما کامی نے لارڈ کارنوالس کی رہنمائی کی۔ ذرائع و وسائل کی تلاش میں تنگ آکر اور ایک سے زائد محکموں میں اصلاحات کے لیے بے قرار ہو کر اس نے ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی جس سے زمیندار رعیت اور حکومتینوں جماعتوں کے لحاظ سے اول یعنی زمیندار کی فلاح و بہبود کا یقین ہوا، دوم یعنی رعیت کے دعاوی کسی قدر ملتوی ہو گئے اور سوم یعنی حکومت کو اپنے مزید اضافے کے بارے میں ایشار کرنا پڑا۔



چوتھا باب

سیول سروس کی اصلاح

اس کتاب میں کارنوالس کا حال یہ حیثیت ایک ہندوستانی حکمران کے اس سے زیادہ بیان کرنا تقریباً ناممکن ہے کہ اس کی بمسوط مراسلت سے کہیں کہیں اقتباسات دیے جائیں اور اس کے سیاسی خیالات کا خلاصہ پیش کیا جائے۔ لیکن گاہ بہ گاہ اس کے کسی خانگی اور راز کے خط سے ایسی پریشانیوں کا اظہار ہوتا ہے جن میں اس کے استقلال و تدبیر کی آزمائش ہوئی غیر ان سے ایسے مسائل کی توضیح ہوتی ہے جو تکلیف دہ تجربے کے بعد حل ہوئے اس لیے اس خط کا اقتباس مشعر طور پر درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کا ایک خانگی اور راز کا خط ڈنڈا اس کے نام ۲۴ اپریل ۱۷۹۱ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس دن ڈنڈے الیٹ انڈیا کمپنی کے ایک تجارتی و سیاسی جماعت ہونے کے بارے میں کارنوالس کو استفسارات کی ایک فہرست بھیجی تھی جو ہندوستان کے سیول تقررات کی سرپرستی کے حق، محکوم ملاقوں کی بیرونی تجارت، ہندوستانی سپاہیوں سے انگریزی فوجوں کے تعلقات اور دیگر معاملات سے متعلق تھی۔

نظم و نسق کے تغیرات کی وجہ سے اب گورنر جنرل کی بعض رایوں میں صرف تباہی و بربادی رہ گئی ہے البتہ دوسرے امور کے متعلق اس کے خیالات ہمارے زمانے کے حکام کے لیے اہم ہو سکتے ہیں اور اس نے وڈا اس کو جو مندرج ذیل جوآ ویاوہ اُن داخلی و انتظامی اصلاحات کے خلاصے کی ایک موزوں ابتدا ہے جن میں اس کی توجہ اور وقت کا زیادہ حصہ صرف ہوا اور جن کی بدولت بعد کو نہایت عمدہ اور دیرپا نتائج برآمد ہوئے۔

مجھے تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ بات سننے سے خوش ہوں کہ اس منصوبے کے اصول منور زیر غور ہیں اور آپ نے یہ استفسارات محض اس مفروضے کی بنا پر کیے ہیں کہ تجارتی شعبہ کمپنی کے حوالے کیا جاسکتا ہے اور دیگر محکمے حکومت کے تحت رکھے جاسکتے ہیں۔ آپ کی مجوزہ تفریق پر بہت سے اہم اعتراضات وارد ہوتے ہیں کیونکہ مجھے اپنی حد تک اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ دیوانی اور مالی محکموں کو شاہی حکومت کی بالراس نگرانی میں رکھنے سے کوئی معنوی فائدہ حاصل نہ ہوں گے۔ اور مجھے کامل یقین ہے کہ اگر مریدانہ اعانت و حفاظت اور سب سے زیادہ ضروری شے یعنی برطانوی حکومت کی تینتھ و نگرانی تجارتی محکموں سے اٹھالی جائے تو کمپنی زیادہ مدت تک اپنے جدید منشور سے مستفید نہیں ہو سکتی اور قطعی طور پر اس کا بہت جلد روالہ نکل جائے گا۔

میں اس بات سے متعجب نہیں ہوں کہ مجلس نظاما کے اُن پر زور و تکلیف انکاروں کے بعد جن کا آپ کو تجربہ ہوا ہے آپ یہ خواہش کریں کہ اس کے ہاتھ سے تاجداروں کا روبرو کا حصہ نکال لیا جائے۔ لیکن مجھے اس کا علم ہے کہ تمام قومی حکومتوں میں عظیم تبدیلیاں خطرے سے خالی نہیں ہوتیں اور چوں کہ چند محوروں کو روانہ کرنے کا نام نہاد اقتدار مسٹر پیٹ جیسی حکومت کے لیے کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا اس لیے میں آپ کی کامل توجہ اس امر کی جانب مبذول کروں گا کہ کیا یہ دانشمندانہ فعل نہ ہو گا کہ آئندہ جب آپ کو حقوق منشوری کا مقابلہ کرنے کی مجبوری باقی نہ رہے اُس وقت نظامائے مذکور کے شاہی رتبے یا محوروں کی نامزدگی کے اختیاریں خلل انداز ہوئے بغیر ان کے

ہاتھوں کو مادی نقصانات سے باز رکھنے کے لیے جکڑ دیا جائے تاکہ بجز اہم ترین صورتوں کے آپ کو اس خوفناک ہنگامے کا سامنا نہ کرنا پڑے جو ہندوستان کی سرپرستی کو تاج کے زبر اثر متقل کرنے کے باعث پیدا ہو گا۔

میں بلا پس و پیش یہ بات مان لوں گا کہ مجلس نظام کو اگر موجودہ تشکیلات کے ساتھ اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اس ملک کے کسی کاروباری شعبے کے فرائض ٹھیک طور پر انجام نہیں دے سکتی لیکن چند قیود کے تحت جب اس کی بہتر تنظیم ہو تو زمانہ آئندہ کے کسی وزیر کی حویلیا نہ و نا شایستہ تجاویز کی سوک تھام کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ لہذا ان نظام کو اس خیر منی کے قابل بنانے کے لیے یا ان کو زیادہ شہرت کے ارتکاب سے روکنے کے لیے تمام کاروبار کا ایک معین انتظام ان کے سپرد کیا جانا چاہیے اور انہیں اس بات کا مجاز نہ کرنا چاہیے کہ وہ آزادانہ طور پر ان تجارتی فوائد کو برباد کر دیں جو برطانیہ کو اپنی ایشیائی ملکوں سے حاصل کرنے چاہئیں۔

بلاشبہ آپ کی توجہ اس طرف معطوف کرانی گئی ہو گی کہ انڈیا کمپنی سابق میں محض اپنی تجارت کے بل بوتے پر قائم تھی اور اس وقت بہ نسبت حالیت وجود کے زیادہ دولت مند تھی اور آئندہ جب اس کے نظام کو سلطنتوں کے نظم و نسق میں کوئی حصہ نہ ملے گا تو وہ پھر ایسے ہی اکنائیت شعار تجارتی رہا جس کے جیسے کہ وہ آج تک رہے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تجربے سے یہ نظریہ تسلط ثابت ہو گا کیونکہ وہ حکمران بن جانے کے باعث اگر اپنے تاجرانہ اوصاف نہ رکھیں گے تو اس ملک کے حالات ان کے زیر اقتدار رہنے کی وجہ سے بالکل بدل جائیں گے۔ اس ہندوستان میں بہ کثرت یورپین افراد رہتے ہیں اور ہر اہم گھاٹ پر اس قدر مسابقت کا خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میری رائے میں ایک راست باز محکمہ تجارت بھی کلکتے میں رہ کر مفید معاہدات نہیں کر سکتا اور پیداوار صنعت کو بے قدر ہونے سے روک نہیں سکتا اور اس لیے جب تک مختلف کارخانوں پر کمپنی قابل اور مستعد نائب متعین نہ کرے اور ان مقامی نائبوں کو حکومت کے اقتدار کے ذریعے کمپنی کو دھوکا دینے سے جیسا کہ سابق میں ان کا عمل رہا ہے نہ روکے ہندوستانی

کی بہترین تجارتی اشیاء کے لیے لندن زیادہ مدت تک سب سے بڑا بازار نہ رہ سکے گا۔

اگر مجوزہ علیحدگی عمل میں آئے تو کوئی معزز یا خود دار شخص حتی الامکان کمپنی کی ملازمت میں نہ رہے گا اور جو رہ جائیں گے یا جو دیگر اشخاص بعد کو مقرر کیے جائیں گے انہیں ان ملازمین کے مقابلے میں جو ملک معظم کے تقررات کی بنیاد پر کار گزار ہوں گے جلد ایک ادنیٰ درجے کے لوگوں کا طبقہ سمجھا جائے گا جس حقارت سے ان کے ساتھ برتاؤ ہو گا وہ ہندوستانیوں کی نظر سے پوشیدہ نہ رہے گا اور ان کے اہل و بیکار آمد ہونے کے امکان میں فرق پڑ جائے گا خواہ وہ عادات و اطوار یا تجارتی معلومات کے لحاظ سے کمزور نہ ہوں خواہ یہ بھی فرض کیا جائے کہ کمپنی انہیں ان کی خدمات کا صلہ فیاضی سے دے سکتی ہے۔ جب ان برائیوں کے ساتھ جن کا میں نے ذکر کیا ہے اور جن کو کوئی شخص جو اس ملک سے واقف ہو فرضی نہیں کہہ سکتا آپ اس دلالی کو بھی ملحوظ رکھیں گے جو ایوان ہند کے ایک ایسے شعبے میں لازمی طور پر پھیلے گی جہاں ایک خاص طریقے میں لوٹ کا بازار گرم ہے تو مجھے یقین ہے کہ آپ یہ تصور نہ فرمائیں گے کہ میں نے کمپنی کے دو ایہ ہو جانے کی پیش گوئی کرنے میں کوئی مبالغہ کیا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ جب ملک کے نظم و نسق کے دیگر تمام شعبے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے گی تو کمپنی کے لیے اپنا تجارتی کاروبار چلانا ممکن ہو جائے گا بعض ایسے اشخاص جنہوں نے اس مسئلے پر کافی غور و خوض نہیں کیا یہ کہیں گے کہ ”اگر کمپنی تجارت کا کاروبار نہیں چلا سکتی تو اسے تمام قسمت آزمائیوں کے لیے کھول دیا جائے“ لیکن اس طریقے کا میں اور بھی زیادہ مخالف ہوں کیوں کہ ایسی صورت میں حکومت کے لیے ان من چلے منصوبہ بازوں کو روکنے کا مشکل ہو جائے گا جو تمام برطانوی علاقوں سے آکر اس بدنصیب ملک کو تباہ کر ڈالیں گے کارِ بیکر جلد برباد ہو جائیں گے اور برآمد جو ہر سال مالیت میں کم ہوتی جائے گی اندھا دھند یورپ کے مختلف ممالک کو روانہ کی جانے لگے گی۔

چونکہ نیا انتظام صرف اسی وقت قائم ہو گا جبکہ موجودہ کمپنی کے حقوق

منسوخ ہو جائیں گے لہذا آپ پر منشورات شاہی کی خلاف ورزی کا الزام عائد نہ ہو سکے گا اور پارلیمنٹ میں مخالف جماعت کے اعتراضات انتظام مذکور کی بنیاد اور قوت و اثر کی جانچ تک محدود رہیں گے۔ میرے خیال میں مجھے آپ کے سامنے یہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ سب سے زیادہ یہ اشخاص آپ کی ان ظاہری کوششوں سے فائدہ اٹھائیں گے جو تاج کے اختیارات میں اضافہ کرنے پر مائل نظر آئیں گی اور یہ اضافہ معقول ترین دستوری اصول پر یا صریح ضرورت کی بنیاد پر بھی حق بجانب ثابت نہ ہو سکے گا اور اس کے ذریعے وہ آپ کے اصول و مقاصد کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کر سکیں گے اور آپ کے خلاف ہندوستانیوں کے قلوب کو متاثر کرنے کی سعی کریں گے۔ تاج کے اختیارات میں اضافہ ایک حد تک میری رائے میں نہ صرف ایک درست عمل ہوگا بلکہ اس ملک کے آئندہ نظم و نسق کی بہتری کے لیے بدرجہٴ اعلیٰ ضروری ہوگا۔

لیکن میرے خیال کے مطابق ہندوستان کی تجارت اور ملکی محصول کے انتظام کے متعلق ایک محدود مدت (مثلاً: سس یا پندرہ سال) کے لیے کمپنی کے منشور کی تجدید اور اس کے ساتھ ایسی قیود و شرائط کا اضافہ جو مناسب متصور ہو یا آپ کے منصوبے کی معقول ترین بنیاد ہوگا اور یہ طریق عمل نہ صرف آپ حضرات کے لیے بہ حیثیت وزیر امینہ ہوگا بلکہ برطانیہ کو ہندوستان کے مقبوضات سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہونے کا بہترین ذریعہ سمجھا جائے گا اور ہمارے خاص دستور کے اہم اصول کو کم سے کم ضرر پہنچائے گا۔

موجودہ مجلس نظام اتنے زیادہ ارکان پر مشتمل ہے اور سرکاری فراغ کی ذمہ داری جو افراد کے حصے میں آتی ہے اس قدر قلیل ہے کہ ان میں سے کسی کی نظر میں بھی اس کی کوئی بڑی وقعت نہیں ہے اور منفعت آمیز معاہدات میں شرکت سے یا احباب کی خدمت یا اقارب کی پرورش کے مواقع سے انہیں جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے ہمیشہ اس نقصان کی کافی سے زیادہ تلافی ہو جانی چاہیے جو ایسے سرمائے کی جس پر ان کی رکنیت کا انحصار ہے بازاری قیمت میں کمی بیشی کے باعث ہو۔ لہذا میرا خیال ہے کہ نظام کی تعداد گھٹا کر بارہ یا تو کر دینا عام طور

پر بہت مفید ہوگا اور اگر ان کی خدمات کے لیے معقول مشاہرے مقرر کیے جاسکیں تو میں صریحاً ایسے ذرائع اختیار کرنے کی تائید کروں گا جن سے ان کو معاہدات میں یا کسی قسم کے تجارتی کاروبار میں جس سے کبھی کا خیف سا بھی تعلق ہو یا واسطہ یا بلا واسطہ نفع حاصل کرنے سے روک دیا جائے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر کوئی ایک یا یہ دونوں تجویزیں منظور ہو جائیں تو بھی میں کسی طرح یہ سفارش نہ کروں گا کہ ان کے ہاتھ میں کسی احاطے کے لیے گورنر اسپہ سالار یا مجلس اعلیٰ کے ارکان مقرر کرنے کا اختیار باقی رہے۔ قوم کا اعزاز اور مفاد، ہماری بری اور بحری فوجوں کی قسمیں، مذکور بالا عہدہ دار اشخاص کے طرز عمل پر اس قدر زیادہ منحصر ہوتی ہیں کہ ان کی نافرمانی کا اختیار بجز برطانیہ کی حکومت عاملانہ کے کسی اور کو عطا نہ ہونا چاہیے۔ لیکن یہ تجویز اگرچہ موجودہ طریقے سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے جس کے ذریعے ملک معظم کو ان عہدہ داروں کی باز طلبی کا اختیار حاصل ہے تاہم اولاً سخت نظر آئے گی اور اس کی شدت کے ساتھ مخالفت کی جائے گی لہذا میں اس میں ہر ایسی اصلاح پر آمادہ ہوں جو ملک کی فلاح و بہبود اور حفاظت کے لیے موزوں ہو۔ میں بذریعہ قانون یہ قرار دوں گا کہ مجلس اعلیٰ کے سیول ارکان کا انتخاب کبھی کے ایسے ملازمین تک محدود کر دیا جائے جن کی ملازمت ایک معینہ مدت کم از کم بارہ سال، کی رہتی ہو۔ ایسے افراد کے متعلق ہر راست باز شخص کے دل میں حاکمانہ سرپرستی کا کوئی خیال نہ آسکے گا اور مجلس نظما پر یہ امر چھوڑ دیا جائے کہ وہ ہندوستان کے عہدوں پر تعینات کے لیے ایسے عام قواعد بنائے جو لائق افراد کے انتخاب میں یکساں طور پر مستعمل ہوں اور ایسا سخت ترین انتظام قائم کرے جس سے وہ مختلف احاطوں کے ابواب مصارف میں سے ہر ایک پر انگریزی اور قابو رکھ سکے۔

میں اسی طرح یہ سفارش بھی کروں گا کہ خوب سمجھ بوجھ کر اس امر کا اعلان کیا جائے کہ مجلس نظما کو اس توقع کا حق ہونا چاہیے کہ ملک معظم کے وزراء اس کی تمام تحریکات پر بہت زیادہ توجہ کریں گے جو گورنر اسپہ سالار اور ارکان مجلس اعلیٰ سے متعلق ہوں گی اور جب اس قسم کے کسی معاملے میں اس کی شکایات پر

کوئی اطمینان بخش تدارک نہ کیا جائے تو اس کو اختیار ہونا چاہیے کہ وہ جس گورنر، سپہ سالار یا رکن مجلس اعلیٰ کا نام بتائے اُس کے واپس بلا لینے پر وہ مُصر رہ سکے اور ایسے گورنروں وغیرہ کے خلاف جن کا طرزِ عمل اس کی نظر میں قابلِ سزا ہو اُسے انتہائی سہولتیں اُس محکمہ عدالت میں چارہ جوئی کے لیے عطا کی جانی چاہئیں جو قانون پارلیمنٹ کے ذریعے ہندوستانی ملزمین کی تحقیقات کے لیے قائم کیا گیا ہے۔

فوجی انتظامات کے متعلق میری صریح رائے یہ ہے کہ یورپین افواج بالکل ملکِ معظم کی ہونی چاہئیں کیونکہ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ چینی ہندوستان میں ایک عہدہ یورپین فوج قائم نہیں رکھ سکتی اور یہ واقعہ اس قدر طشت از بام ہو گیا ہے کہ کوئی فوجی شخص جو ہندوستان میں رہا ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا اور اس ضمن میں میرا نام خواہ کیسے ہی زور کے ساتھ بطورِ سند پیش کیا جائے مجھے اس کی پروا نہ ہوگی۔

بہر کیف ہندوستانی افواج کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ رفاہِ عام کے لیے یہ نہایت النسب ہے اور فی الحقیقت قطعاً ضروری ہے کہ ان افواج میں جو افسر ملازمت کا عزم بالجزم رکھتے ہوں وہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور ہی میں اس کے لیے نکل آئیں اور خود کو بہمہ وجوہ ہندوستان کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ اس ملازمت کے لیے زبان سے کامل واقفیت اور سپاہیوں کے رسم و رواج اور مذہبی تعصبات پر گہری توجہ ایسے لوازم ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ افسر ملکِ معظم کی فوج کا ایک حصہ قرار پائیں تو جلد یہ طریقہ رائج ہو جائے گا کہ یہ اپنے عہدوں کو انگلستان کے تباہ حال افسروں سے بدل لیا کریں گے جو یہاں آکر اپنے زیر دست عہدہ داروں کی نظر میں حقیر ہوں گے اور جن سے سپاہی بھی نفرت کرتے لگیں گے اور آپ پر یہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس ملک میں ہمارے قیام کے متعلق ہندوستانی افواج کی بددیانتی خطرناک ہوگی۔ لہذا میرا خیال ہے کہ چونکہ آپ اس مخصوص حق پر جو ملکِ معظم کو اپنی افواج کے تبدیل یا ترقی کے بارے میں حاصل ہے کوئی قانونی قیود ساید نہیں کر سکتے اس لیے یہ محفوظ ترین عمل ہو گا کہ ہندوستانی افواج کو چینی کے

تحت ہی رہنے دیا جائے اور ایسا کرنے کے بعد بھی آپ مجلسِ نظا کو کید ٹوں کے تقررات کا اختیار دیں اور بالفرض اور ایک حد تک اس طریقے کو عام پسند بنائیں۔

جو متبادل طریقہ بتایا جائے گا اس کے لحاظ سے مجلسِ نظا کو سیول سروس کے شعبوں میں محروموں اور ہندوستانی افواج میں کید ٹوں کو مقرر کرنے کا اختیار حاصل رہے گا اور یہ اختیار بھی کہ وہ ایسے چند عام قواعد مرتب کرے جیسے کہ میں نے حکومتِ ہند کی جانب سے عہدوں کا انتظام ہونے اور ان قواعد کی خلاف ورزی کی صورت میں گورنروں وغیرہ سے فوری باز پرس کرنے کے متعلق بیان کیے ہیں۔ لیکن نظا کو سختی کے ساتھ اس ملک کے عہدوں پر اپنے ملازمین کو مقرر کرنے یا ان کے تقررات کی سفارش کرنے سے ممنوع کر دینا چاہیے کیوں کہ اس قسم کی سفارشات یا تقررات عموماً سازش یا خوشامد کی وجہ سے ہوتے ہیں نہ کہ حقیقی اوصاف یا معقول دعاوی کے و اجبی لحاظ سے اور انگلستان کی اس قسم کی مداخلت سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کمزوری حکومتِ ہند کے اقتدار میں پیدا ہونی ضروری ہے۔

اس مفروضے پر کہ منشوراتِ شاہی کی تجدید ہوگی مجھے عام بہبود کے لیے یہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ملک معظم کے وزراء کے اختیارِ تفتیح و نگرانی کو چھینی کے معاملات کے ہر شعبے تک بلا استثناء کا دوبار تجارت وسیع کر دیا جائے۔ اور چوں کہ نگرانِ کارِ جماعت اور مجلسِ نظا کے مابین حجت و تکرار سے ہمیشہ عام مفاد کو نقصان پہنچنا لازمی ہے خواہ وہ ایک طرف کی ناجائز دست درازیوں کے باعث ہو خواہ دوسری طرف کی ضد یا بے جا ہٹ کا نتیجہ ہو اس لیے یہ خاص طور پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وزراء کے اختیارِ تفتیح و نگرانی کی وسعت ہی کو نہیں بلکہ جس طریقے سے وہ اس اختیار کا استعمال کرتے ہیں اُسے بھی اس قدر واضح طور پر معین کر دینا چاہیے کہ حتی الامکان غلط فہمیوں یا جھگڑوں کے کل مواقع کا سد باب ہو جائے۔

طریقِ مالگزاری کا انتظام جو بالکل جدید نہ ہونے کے باوجود ایک سے زائد اہم و ناود خصوصیات ظاہر کرتا تھا ملک کی خوش حالی یا رعایا کی رضامندی کا نقیض

دلانے کے قابل اُس وقت تک نہ سمجھا گیا جب تک کہ سیول سروس کی اصلاح اور شل اضلاع کے کلکٹروں کے اُن انتخاب کی ماموری کے لیے تجاویز اختیار نہ کی گئیں جن پر بدعنوانیوں کا کوئی اثر نہ پڑنے کا اعتماد کیا جاسکتا تھا۔ جب کارنوالس ہندوستان پہنچا اُس وقت ساری ملازمت کم و بیش ایک انقلابی حالت میں تھی۔ ابھی تک ملازمین تجارتی مہمات میں مشغول تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان ملازمین سے نظم و نسق کے کاروبار انجام دینے اور انتظامی جہدے پُر کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان کو اکثر تحفے اور کمیشن کی صورت میں معاوضہ ملا کرتا تھا اور بالائی یافت کے علاوہ ان کا بڑے بڑے تحفے قبول کرنا ایک عام بات تھی۔ اس سے بدتر صورتِ حالات کے باقی آثار میں یہ بھی تھا کہ ارکانِ مجلس اعلیٰ جیسے بلند درجے کے اشخاص لاکھوں روپیے ایک نواب یا غدار کو دوسرے پر ترجیح دینے کے عوض قبول کرنے میں تامل نہ کرتے تھے۔ رشوت ستانی کے نمایاں واقعات لکھنؤ بنارس اور مدراس میں پیش آچکے تھے اور یہ تسلیم کیا جانا چاہیے کہ مجلسِ نظام نے جس طریقے کا مشاہدہ کیا تھا اور جسے تقریباً پسند بھی کیا تھا اس کے تحت اس کے ملازمین باوجود اہم ذمہ داریوں کی خدمات پر مامور ہونے اور متعدد ترغیبات میں گھرے ہوئے رہنے کے قلیل مشاہرے پاتے تھے اور ان کو اجازت تھی کہ وہ اس کمی کی تلافی غیر معمولی بڑی بڑی یک مشت رقوم سے کریں۔ حتیٰ کہ جب گورنر جنرل نے سخت الفاظ میں کسی اصلاح کی ضرورت پر توجہ دلائی تو نظام کی پھر یہی رائے ہوئی کہ کلکٹروں کو کچھ رقم کمیشن سے اور کچھ مقررہ تنخواہوں کے ذریعے ادا کی جائے لیکن ان کی خدمات کے معاوضے کا بیشتر حصہ کمیشن ہونا چاہیے۔

بنارس کا رزیڈنٹ جو درحقیقت اس صوبے میں بلاروک ٹوک نہایت مطلق العنانی کے ساتھ اختیارات کا استعمال کرتا تھا ماہانہ صرف ایک ہزار روپیے پاتا تھا۔ لیکن اس کے سوا تجارتی اور دیگر معاملات کے ٹھیکوں سے اُس کو سالانہ چار لاکھ کی آمدنی تھی۔ دوسرے مقامات پر کلکٹر تجارتی سٹے بننے میں کسی عزیز یا دوست کے نام سے شریک ہوتے تھے اور یہ بے محابا کہا جاسکتا ہے کہ جہاں کوئی کلکٹر ماہانہ بارہ سو روپیے سے زیادہ نہیں پاتا تھا وہاں اس کی ناچا نر اور

بالائی آمدنی اس سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔ کارنوالس فوراً سمجھ گیا کہ بدعلیوں کو روکنے، انتظام برقرار رکھنے اور عزت و ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ معقول تنخواہیں دی جائیں اور تنخواہیابوں کو ان کے مقررہ کام کی حد تک رکھا جائے۔ اس وقت سے تجارت ممنوع قرار پائی اور اگر کمیشن کی اجازت دی بھی جاتی تو اس کی مقدار اصل تحصیل وصول پر فی صد کے حساب سے متعین ہوتی تھی۔ یہ منضبط طریقہ تاویہ بھی اگرچہ بوقت نفاذ بالکل مناسب اور منصفانہ تھا لیکن بالآخر موقوف کر دیا گیا۔

دستور و نوعیت ملازمت میں دیگر خرابیاں بھی تھیں جو پوشیدہ نہ رہ سکتی تھیں۔ فوجداری انتظامات، نوآباد ناظم اور اس کے ہندوستانی ماتحتین کے ہاتھوں میں چھوڑ دیے گئے تھے جیسا کہ آئندہ دیوانی و فوجداری عدالت کے جدید انتظامات کے بیان میں تفصیل سے بتایا جائے گا۔ وارن ہسٹنگز کے زمانے سے کلکٹروں کو مالی ذمہ داریوں کے علاوہ دیوانی مقدمات میں چند حد اتنی اختیارات بھی سونپے گئے تھے۔ کارنوالس تو یہاں تک بیان کرتا ہے کہ کمپنی کے تمام صوبوں میں دیوانی عدالتیں کئی سال تک کمپنی کے ملازمین کے ہاتھوں میں رہی تھیں۔ کلکٹر اپنے فرائض مالگزار کی کے علاوہ افسر مال کی حیثیت سے ایک عدالت مال کا انعقاد کیا کرتا تھا جس میں وہ تمام ایسے مقدمات کا تصفیہ کرتا تھا جو زمینداروں اور کاشتکاروں کے حقوق کے متعلق ہوتے اور ان نزاعات کا بھی جو ان کے اور ان کے ملازمین کے مابین پیدا ہوتے تھے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مال کی ان عدالتوں کو جن میں سیول جج عدالتی بحیثیت جج نیز بہ حیثیت کلکٹر کار فرما ہوتا تھا برہم خاست کر دیا جائے اور کل عدالتی اختیارات اور تمام حقوق نیز تمام دیوانی مقدمات کے تصفیے کو ایک باقاعدہ عدالتی محکمے کے سپرد کر دیا جائے۔ یہاں قبل از وقت یہ ذکر کیا جاسکتا ہے کہ کارنوالس کی واپسی کے چھ سال بعد کلکٹروں کو پھر ان تمام دعاوی میں جو زمینداروں کی جانب سے رعایا پر سالوں کے واجب الوصول لگان کے متعلق دائر ہوں سرکار تحقیقات کر کے فیصلے کرنے کا اختیار دیا گیا۔

لیکن اس استثناء کے سوا سلاطین کے بعد کلکٹر کو اس کے مقررہ فرائض

کی حد تک رکھا گیا جو اُسے مشغول رکھنے اور اس کے دفتری معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے بالکل کافی تھے۔ جن اضلاع پر یہ کلکٹر مقرر ہوتے تھے وہ حدود میں نہایت وسیع تھے۔ جیسے کا ضلع ایک طرف چوبیس پر گھنے سے اور دوسری طرف گنگا پار کے ضلع راج شاہی سے ملا ہوا تھا۔ اور تیس یا چالیس سال کے بعد ان اضلاع کی نیز دیگر اضلاع کی وسعت حدود میں کمی کر دی گئی جب کہ باراسات، بوگرہ، پٹنا وغیرہ جیسے چھوٹے اور آزاد اضلاع کا قیام عمل میں آیا۔

مختصر یہ کہ کارنوالس نے کلکٹر کو ایک معین، اہم اور معقول مشاہرے کی خدمت پر مامور کر دیا۔ وہ ایک وسیع رقبے کی مالگزاری کا ذمہ دار تھا جو ملکہ میں دس لاکھ سے بیس لاکھ روپیے تک ہوتی تھی۔ وہ تالیفوں اور ایسے مالکان اراضی کی جائدادوں کا محافظ ہوتا تھا جو فتوہ عقل یا دیگر عوارض سے ناکارہ ہو گئے ہوں اور وہ ان تمام جائدادوں کا نگران تھا جو خاص کہلاتی تھیں یعنی جن پر حکومت نے زمیندارانہ یا مالکانہ حقوق حاصل کر لیے تھے۔ وہ وظیفہ خواروں اور مجاوضہ خدمت کا بھتہ پانے والوں کا فراہمی تھا۔ مفصلہ داروں کی جائدادوں کی تقسیم کے لیے وہ مستم عہدہ دار تھا اور بذات خود ہر حصے کی مالگزاری کی ذمہ داری کا تعین بھی کرتا تھا۔ وہ شرابوں پر محصول وصول کرتا تھا اور باقی دار مالکان اراضی کی جائدادوں کا عام نیلام کر سکتا تھا۔ وہ باقاعدہ طور پر مجلس مال کا نائب قرار دیا گیا تھا جس سے اس کو پابندی کے ساتھ مراسلت کرنی پڑتی تھی۔ یہ کلکٹر کے متعلق انگلستان میں عام خیال یہ ہے کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جو بیاض، چند طبع شدہ کاغذات، فرد حسابات اور تختہ مطالبات کے ساتھ ملکہ سبھلہ کے محصول یا ابواب حلقہ مذہبی کی وصولیابی کے لیے وقت بے وقت پھرتا رہتا ہے اور جس کو مالکان مکانات حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کارنوالس کے زمانے سے اینگلو انڈین کلکٹر متوتی ٹالپالٹا بن گیا نیز عدالت مال کے فرائض انجام دینے لگا اور اس کی رواداری، نیک نیتی، کاروائی اور نگرانی پر ان تمام باشندوں کی فلاح و بہبود منحصر تھی جن کی تعداد ویرانوں اور جنگلوں کی کثرت کے زمانے میں بھی کسی ایک ضلع میں بالعموم پانچ یا دس لاکھ

نفوس سے کم نہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ سرکاری محصول کی وصول یا بی بھی ایسی کے ذمے تھی۔

دوامی بندوبست اور کلکٹروں کے ضروری اور مناسب فرائض کی حد بندی کا کام اب ختم ہو چکا تھا، لیکن یہ کہنے کے لیے کہ سیول سروس کا نفوذ بنگال اور بہار کے کل انتظامی اور عدالتی محکموں میں ہو گیا ہے ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ جرائم کی تفتیش اور سزا دہی کے امور جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے نواب ناظم کے ہاتھ میں چھوڑ دیے گئے تھے جس کو ملک کا برائے نام فرماں روا کہا جاسکتا ہے۔ اس کے نتائج جان و ملک کے لیے تباہی خیز ثابت ہوئے۔ دارالحکومت کے ضلع ہنگی کا فوجدار دس ہزار پونڈ یا ایک لاکھ روپیے سالانہ پاتا تھا اور ڈکیتی کلکتے کے عین قرب و جوار میں امرتھوں کی حدود خندق پر اور درحقیقت تمام صوبجات نشیبی میں جاری تھی۔

فوجدار کی تحقیقات ہندوستانی جج کیا کرتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ ایک عدالت مرافعہ پہلے ہی سے قائم تھی جو صدر دیوانی و نظامت عدالت کہلاتی تھی اور مالگزاری کے انگریز کلکٹر کے متعلق یہ فرض کیا جاتا تھا کہ وہ اضلاع کے ہندوستانی مجسٹریٹوں کی کارروائیوں پر نگرانی رکھے گا اور یہ دیکھے گا کہ گواہوں کے بیانات مناسب طور پر قلم بند کیے جاتے ہیں اور کارروائیاں ایک حد تک صحیح اور غیر جانبدار طریقے پر ہوتی ہیں۔ لیکن سلسلہ کے متعدد ضوابط و قوانین کی تہیدوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت ہائے دیوانی و فوجدار میں بہت پرانگندگی، اختلافِ عمل درآمد اور حد اختیار کا عدم تعین ضرور رہا ہے۔ فی الحقیقت ان قوانین میں سے ایک کی عبارت تہید اس قدر اہم ہے اور وہ ہندوستانی عہدہ داروں کی نااہلی اور ان کے کاروبار میں انگریز کلکٹروں کی مفید طور پر دست اندازی نہ ہو سکنے کی مجبوری کو اس وضاحت کے ساتھ نمایاں کرتی ہے کہ عبارت مذکور کو یہاں تفصیل کے ساتھ نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سلسلہ کے ضابطہ اہم میں گورنر جنرل مختصر طور پر اس صورتِ حال کی کامل تبدیلی کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:

۱۔ صدر مجلس عالی کے منظور کردہ ضوابط مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء کے بموجب صوبوں کے اندرونی حصوں میں ملازموں کی بد اطاریوں یا جرموں کی تحقیقات کے لیے فوجداری عدالتیں قائم کی گئیں اور مالگزار کے کلکٹروں کو جو کمپنی کے ملازمان متحد تھے یہ ہدایت کی گئی کہ وہ ان عدالتوں کے حکام کی کارروائیوں کی نگرانی کریں اور دیکھیں کہ تحقیقات کے وقت ضروری شہادت طلب اور قلم بند کی جاتی ہے اور اسے مناسب وقت دی جاتی ہے اور جو فیصلے کیے جاتے ہیں وہ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوتے ہیں۔ انھیں ضوابط کے ذریعے ایک علیحدہ اور اعلیٰ عدالت فوجداری موسوم بہ نظامت عدالت مرشد آباد میں قائم کی گئی تاکہ یہ سنگین مقدمات میں صوبہ جاتی عدالت ہائے فوجداری کی کارروائیوں کی نگرانی کرے اور مرشد آباد کی جیٹی مالگزاری کو اس عدالت پر ایسا ہی اختیار دیا گیا جیسا کہ مالگزاری کے کلکٹر صوبہ جاتی عدالتوں میں اس کے استعمال کے مجاز تھے۔ مرشد آباد کی جیٹی مالگزاری کی شکست پر نظامت عدالت کلکتے میں منتقل ہو گئی اور ایک داروغہ یا نگران کے تحت کر دی گئی جو صدر مجلس عالی کے زیر اقتدار تھا اور عدالت ہائے فوجداری کے سنگین مقدمات کے فیصلوں کی نظر ثانی کرتا تھا۔ انتظامات مذکور بغیر کسی تغیر عظیم کے ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک نافذ رہے جبکہ محکمہ عدالت فوجداری کی کامل نگرانی نائب ناظم کے سپرد کر دی گئی۔ انجام کار نظامت عدالت دوبارہ مرشد آباد میں قائم کی گئی اور نائب ناظم نے ہندوستانی عہدہ داروں کو جو فوجدار کہلاتے تھے اور ان کی امداد کے لیے شرع اسلام کے ماہر فقہوں کو مقرر کیا کہ مختلف اضلاع کی عدالت ہائے فوجداری پر نگرانی رکھیں اور ان اشخاص کو گرفتار کر کے تحقیقات کریں جو امن عام میں مغل ہوں۔ یہ انتظام بغیر کسی اہم تبدیلی کے ۶ اپریل ۱۹۴۸ء تک جاری رہا جب کہ فوجداروں کی خدمات سے مطلوبہ اغراض پوری نہ ہونے کے باعث فوجداروں اور ان کے زیر دست تھانہ داروں یا پولیس کے افسروں کے عام عملے کو برخاست کر دیا گیا۔ لیکن مختلف علاقوں میں فوجداری عدالتیں بحال رکھی گئیں جو حسب سابق نائب ناظم یا نگران نظامت عدالت کے زیر نگرانی رہیں اور دیوانی عدالتوں کے انگریز جج، مجسٹریٹ بنائے گئے اور انہیں یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ڈاکوؤں یا شدید خفیف جرایم کے

مرتب اشخاص کو اپنی متعلقہ حدود میں گرفتار کر کے تحقیقات کے لیے قریب ترین عدالت فوجداری کے سپرد کر دیں۔ اس مقصد سے کہ فوجداری مقدمات میں اصل گستری پر حکومت ایک حد تک نگرانی رکھنے کے قابل ہو سکے ایک علیحدہ محکمہ بھی اسی زمانے میں گورنر جنرل کے زیر اقتدار احاطے میں قائم کیا گیا تاکہ اس محکمے میں عدالت ہائے فوجداری کے صادر کردہ احکام سزا کی تہودادیں ہر ماہ وصول ہوا کریں اور اس فرض میں گورنر جنرل کی اعانت کے لیے چھٹی کے ایک سیول ملازم متہمہ کا تقرر عمل میں آیا جو مشیر عدالت ہائے فوجداری کے ہمدے سے ممتاز ہوا۔

لیکن انگریز مجسٹریٹوں کا اقتدار زمینداروں اور دیگر مالکان اراضی پر غیر موثر ہونے کی وجہ سے فوجداری مقدمات میں عدل گستری کے متعلق بہت رکاوٹیں پیدا ہو گئیں اور اس ضابطے سے جس کی بنا پر مجسٹریٹوں کو یہ اختیار حاصل تھا کہ مجرمین کو گرفتار کریں مگر وہ کسی طور پر بھی ان کی تحقیقات میں دخل دینے کے مجاز نہ تھے ایک نئی قباحت رونما ہو گئی۔ چوں کہ مجسٹریٹ پابند تھے کہ اُن تمام اشخاص کو جن پر نقص امن کا الزام لگایا گیا ہو خواہ وہ کیسا ہی خفیف ہو، فوجداری عدالتوں کے داروغوں یا نگرانوں کے حوالے کر دیں اور چونکہ اکثر بہت سا وقت ان کی تحقیقات کی نوبت آنے تک گزر جایا کرتا تھا اور غریب ترین اور ادنیٰ ترین طبقے کے متعدد اشخاص ایک طویل مدت تک اکثر قید میں پڑے رہتے تھے جہاں ان کی نکالیف ان کے جرایم کی حد سے نسبت زیادہ بڑھ جاتی تھیں، اس لیے مجسٹریٹوں کو ۲۷ جون ۱۸۷۱ء سے یہ اختیار دیا گیا کہ وہ معمولی ہنگاموں، فحش کلامیوں اور دیگر خفیف جرموں کے استغاثوں کی سماعت کرنے کے ان کے فیصلے کریں اور چند قیود کے تحت مجرمین کو جسمانی سزادیں اور اُن پر جرمانے عائد کریں۔

لیکن متعدد مرتبے، قتل اور دیگر سنگین جرایم جو سارے ملک میں روزانہ ہوتے رہتے تھے یہ ثابت کرتے تھے کہ عدالت فوجداری کا انتظام ابھی تک نہایت ناقص حالت میں تھا اور چوں کہ یہ نقائص زیادہ تر نتیجہ معلوم ہوتے تھے اس طویل توقف کا جو مجرمین کو سزا دینے میں واقع ہوتا تھا اور قانون کے مناب

طور پر نافذ نہ کیے جانے کا نیز ان دیگر اہم معائب کا جو عدالت ہائے فوجداری کے دستور میں باقی تھے اور چوں کہ جرایم کی روک تھام کے لیے یہ لازم تھا کہ نہ صرف مجرمین ان ذرائع سے محروم کر دیے جائیں جن کی مدد سے وہ عہدہ داران عدالت کے تعاقب سے بچ سکتے ہیں بلکہ جب وہ گرفتار ہو جائیں تو فوراً ان کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائے، اس لیے گورنر جنرل یہ اجلاس کونسل نے ۳۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو چند ضوابط نافذ کیے جن کے ذریعے عدالت ہائے دورہ انگریز ججوں کے زیر نگرانی قایم کی گئیں اور ان کی اعانت کے لیے ہندوستانی فقیہ مقرر ہوئے تاکہ یہ جج اور فقیہ بصیغہ ابتدائی ایسے اشخاص کے مقدمات کی تحقیقات کریں جن پر جرایم شدید یا خفیف کا الزام عائد ہو اور گورنر جنرل نیز ارکان مجلس اعلیٰ کو اس امر کا موقع دیں کہ وہ نظام عدالت کے اجلاس میں شامل ہوں جو اس غرض کے لیے پھر کھلتے ہیں منتقل کر دی گئی) اور تمام حصص صوبہ جات کے انتظام عدالت ہائے فوجداری کی نگرانی کریں۔ یہ ضوابط ترمیمات مابعد کے ساتھ اب مع مزید ترمیمات و تغیرات کے دوبارہ نافذ کیے گئے ہیں۔

۱۔ اس تذکرے کے مصنف نے اپنی ملازمت کے ابتدائی مہینوں میں ان فوجداری عدالتوں کی بعض قدیم مشلوں کا پتہ چلا یا جو فوجداروں کے زیر اقتدار تھیں اور جن کا وجود ابھی تک ہے اور ان کے معائنے سے اُسے ایک طریق عمل معلوم ہوا جو روبکاری (یعنی تجویز و حکم منرائے عدالت) کے نام سے مشہور تھا۔ یہ روبکاری بہت مختصر اور جمل ہوتی تھی اور اس حکم پر ختم ہوا کرتی تھی کہ ملزم قید ہاں شد۔ بالفاظ دیگر یہ کہ اُسے محبس روانہ کر دیا جائے۔ کوئی مدت کسی صورت میں بھی مقرر نہیں کی جاتی تھی اور عدالت کے زمانے تک مجسٹریٹ کے دفتر کے قدیم ہندوستانی عملے کا یہ عمل درآمد تھا کہ جو شخص اپنے کسی پڑوسی کے چاول کا سرکہ کر لے کی وجہ سے غیر عین مدت کی سزا کا حکم منٹا اس کو کئی سال تک قید میں رہنا پڑتا۔ اس امر کا ذکر بھی ضروری ہے کہ انتظام محبس کے قواعد اُس زمانے میں اور نہ بعد کو کئی سال تک سخت کھے تھے۔ قیدیوں کے سکن رات کو متفرک کر دیے جاتے تھے لیکن وہ انہیں بہت کچھ آزادی حاصل ہوتی تھی اودھر ہزاروں میں اودھر ادھر پھرتے، ہر کوئی کی تربت اور دباؤں کی مدد سے صفائی کا کچھ کام کرتے یا کتے کا بھانہ کرتے اپنے احباب سے ملنے اور اکثر تنہا کوٹھائی اور دیگر شایانے خورد و حاصل کرتے تھے۔

مذکور بالا اقتباس جس زمانے کے جدید مجموعہ قوانین سے لیا گیا ہے اور دیگر اسی قسم کے بیانات اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ انتہائی احتیاط کے ساتھ حکومت اپنے اُوپر ذمہ داریاں لینے اور اصلاحات جاری کرنے لگی۔ یہ تغیرات موجودہ زمانے کے ناظرین اور منتظمین کو آسان اور فطری معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے کلمہ جو صرف ہندوستانی جموں کو ہدایت کر سکتے ہوں، ایسے انگریز مجسٹریٹ جو مجرین کو گرفتار کر سکتے ہوں لیکن ان کے متعلق تحقیقات نہ کر سکتے ہوں، ایسی حکومت جو ایک ثالث کی حیثیت سے کام کرتی ہو اور سنگین مقدمات میں غیر منصفانہ منراؤں کو روک سکتی ہو لیکن تحقیقات مقدمہ کی ابتدائی منازل میں کسی جائز غرض کے ساتھ مداخلت نہ کر سکتی ہو یہ سب امور ظاہر ہے کہ ایسے وسائل نہ تھے جنہیں ایک ایسی آبادی کے انتظام کے لیے موزوں سمجھا جائے جو خواہ کیسی ہی صلح پسند اور بالعموم اصلاح پذیر ہوشیروں اور دیہاتوں میں اپنے اندر جرم و بدہنی کے متعدد عناصر رکھتی تھی۔ کارنوالس نے چند تجاویز کی آزمائش کے بعد تمام ملک کو اضلاع میں تقسیم کر دیا جن پر انگریز جج اور مجسٹریٹ بحیثیت حاکم مقرر ہوئے۔ ان اضلاع میں سے تقریباً پچیس برس اس نے ایک سیول اور سشن جج کا تقرر کیا۔ چار بڑے شہروں یعنی کلکتہ، پٹنہ، ڈھاکہ اور مرشد آباد میں اس نے صوبائی عدالت ہائے مرافعہ قائم کیں یعنی وہ عدالتیں جو عدالت ضلع اور صدر عدالت یا آخری اعلیٰ ترین عدالت کی درمیانی کڑی تھیں۔ ایک اور قانون نافذ ہوا جس سے صدر عدالت کی حد اختیار کی توسیع و توضیح ہوئی۔ ان قوانین میں صریح مگر بعض متعلقہ صورتوں میں ذوق قواعد کارروائی شامل کیے گئے۔

مناسب وسعت کے عدالتی اختیارات کے ساتھ تمام اضلاع پر مجسٹریٹ مقرر کیے گئے اور ان کے تحت داروغوں یا پولیس کے افسروں کو جبرائیم کی سراغ رسانی اور روک تھام کے لیے رکھا گیا۔ دیوانی مقدمات میں انگریز جج کو اصلی و ذاتی جائداد، لگان اراضی، قرضے، حساب کتاب، حصہ داری، شادی ذات پاست، وراثت اور ہر جے سے متعلق مختصر یہ کہ جمیع اقسام کے دیوانی مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلے کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ فوجداری تحقیقات

میں جو قانون قابل پابندی ہو سکتا تھا وہ شرع اسلام کا قانون تھا۔ لیکن اس قانون کی مکروہیت میں کمی اور اس کی لغویت کی اصلاح کرنے کے لیے فوراً تدابیر اختیار کی گئیں۔ وحشیانہ سزا مثلاً قطع اعضا کو روا نہیں رکھا گیا۔ اسلامی قواعد شہادت میں ترمیم کر کے ان کو عدالت ہائے انگلستان کے قواعد شہادت کے مماثل کر دیا گیا۔ ہندو فریقین کے دیوانی مقدمات میں جج کی امداد ایک ہندوستانی پنڈت کرتا تھا جو وراثت، ماشادی، ذات پات اور اسی قسم کے دیگر معاملات پر مشورے دیتا تھا۔ اسی طرح ان مقدمات میں جہاں دونوں فریق مسلمان ہوتے تھے شرع اسلام پر عمل کیا جاتا تھا۔ جب متنازعین مختلف مذاہب کے ہوتے تو انگریز جج کو عدالت و روشن ضمیری کی ہدایات پر کار بند ہونا پڑتا تھا۔ ان کے ہندوستانی شیران قانونی میں سب سے پہلے پنڈت کو موقوف کر دیا گیا گو اس کی خدمت ۱۸۵۷ء تک قائم رہی تھی۔ لیکن مسئلہ میں مجموعہ تعزیرات و مجموعہ ضوابط فوجداری کے نافذ ہونے تک قاضی یا مولوی کا عہدہ بعض اضلاع میں باقی رہا۔

اگرچہ دارن ہسٹنگز اور خود کارنوالس نے صوبے کے دیوانی و فوجداری نظم و نسق کی اصلاح کی کوششیں کی تھیں اور چند تغیرات اور اصلاحات بالکل اس مقصد سے کی گئی تھیں کہ زیادہ سے زیادہ اختیارات انگریزوں کے ہاتھوں میں آجائیں تاہم اس انتظام کی تکمیل کی تاریخ ۱۸۵۹ء قرار پائی ہے جو کارنوالس کے عہد حکومت کا آخری سال تھا۔ ہر دیوانی ملازم نے اس صدی کی ابتدا سے اس تاریخ

۱۸۵۹ء - یہاں فرنگی مصنف کتاب نے شرع اسلام کے متعلق نہایت نازیبا الفاظ (یعنی مکروہت اور لغویت) مستعمل کیے ہیں جو مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ ہر قوم کے فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ دیگر قوم کے مذہبی جذبات و احساسات کا احترام کرے مگر باوجود اس کے کہ مصنف سرکاری ملازم کی حیثیت سے ہندوستان میں مقیم رہا اور اس ملک کی مسلم جماعت کی پاکیزہ محبتوں سے فیض یاب ہوا تاہم بمبادی پُراچی بہ طوائف کعبہ حاجی نہ شو، مذہبی تعصب میں ڈوبا رہا۔ اس کی ایک علانیہ مثال مذکورہ بالا دیدہ و نہی ہے جس سے اس کی ساری علمی قابلیت مذہبی معلومات پر پانی پھر جاتا ہے۔ مترجم

کو ایک ایسی تاریخ سمجھا ہے جس سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ کھڑنسن نے دیگر
معام ضوابط کا تذکرہ سنا ہوگا لیکن وہ کبھی اس کے استعمال اور رہنمائی کے لیے طبع
یا گشت نہیں کرائے گئے۔

کارنوالس کے مجموعہ قوانین نے اختیارات کی خواہ وہ محکمہ مال پولیس فوجداری دہلوانی عدالت
یا دیگر معاملات کے متعلق ہوں بخوبی تو قبیح و حد بندی کر دی، دستور العمل قائم
کر دیا، باضابطہ طریقہ مراغہ کے ذریعے نا انصافی کی روک تھام کر دی اور ہندوستان
کی سیول سروس کی بنیاد اس طرح رکھی جیسی کہ وہ آج تک قائم ہے۔ یکے بعد
دیگر ہر حاصل شدہ ضلع یا مملکت میں قانون و انتظام جاری کرنے کی جتنی بھی کوششیں
کی گئیں اُن سب کی بنیاد ہی مجموعہ قوانین رہا ہے۔ اس بات کو تسلیم کیا جاسکتا ہے
کہ اس کی شرائط بعض صورتوں میں بھاری اور دقیق تھیں اور ایسی اقوام کے لیے
مناسب نہ تھیں جو وسطی اور جنوبی بنگال کی آبادی سے زیادہ بہادر و جنگجو ہوں اور
مقدمہ بازی و دھوکا دہی کی طرف کم مائل ہوں۔ اس کی بعض دفعات اور فقرات
بلا تامل خارج کر دیے گئے جب کہ ٹھیک وحشی یا جنگجو قبائل کے لیے جدید اسلحہ
اور منصفانہ ضوابط موزوں سمجھے گئے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بحرین کو مرافعہ کی
کی خطرہ تھیں حاصل تھیں جو قوم کی عام فلاح و بہبود کے لیے علامت مضرت ثابت
ہوتی تھیں۔ لیکن کارنوالس کا مجموعہ قوانین اس ولولہ انگیز خواہش قلبی کا منظر تھا کہ
ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد قائم کیا جائے، اُن کے جذبات میں نرمی پیدا کی
جائے، اُن کے مذہبی و معاشری تقصبات کو ٹھیس لگانے سے گریز کیا جائے
اور ساتھ ہی ساتھ طوائف الملوکی، بد انتظامی اور عدالتی اختیارات کے بیجا و
آزادانہ استعمال کی بجائے اس باقاعدگی اور انتظام قائم کیا جائے۔ ان
قوانین کی عبارت کے متعلق نگاہ بہ گاہ اعتراضات کیے آئے ہیں اور اس میں
شک نہیں کہ عبارت مذکور ماند پڑ جاتی ہے اگر اس کا مقابلہ اُن قوانین مابعد کی جائے
صحیح اور شستہ زبان سے کیا جائے جن کے نفاذ کی تاریخ ۱۸۵۳ء ہے جب کہ
حکومت ہند کے وضع قوانین کا کام میکالے اور کیمرن جیسے اعلیٰ حکام یا خود ہمارے
زمانے کے مین اور اسٹیفن نے انجام دیا۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ حکومت ہند

کو ایک صدی قبل ایک ایسی قوم سے سابقہ پڑا تھا جس پر مطلق العنان اشخاص کی حکومت تھی اور جو کسی مقرر یا مقین قانون نظم و نسق سے ناواقف تھی۔ جدید قوانین کے نافذ کرنے والے عہدہ داروں کی تعلیم و تربیت نامکمل تھی۔ بہت سے کلکٹروں اور مجسٹریٹوں نے اپنا کام سیکھنا اس وقت شروع کیا جب وہ حقیقتہً کام کرنے لگے اور انہیں اپنی غلطیوں اور لغزشوں کے علم کے ذریعے باقاعدگی اور نیکوئی کی طرف جانا پڑا۔

یہ قوانین نتیجہً محض اس امر کا اظہار نہیں کرتے تھے کہ آئندہ ملک کا قانون مالگزاری یا فوجداری کیا ہوگا۔ تمہیدات اور کہیں کہیں بعض دفعات میں جدید دستور العمل کے متعلق وجوہ اور تشریحات مندرج تھیں۔ بعض کی نوعیت بجائے قانون ہونے کے زیادہ تر نشائے حکومت کا اظہار کرنے والی یادداشت کی تھی۔ گورنر جنرل نے ماضی پر نظر ڈالی، ان غلطیوں کو ظاہر کیا جو عمل میں پائی گئیں اور جو باشندگان ملک کی ضروریات سے پوری ذائقیت نہ ہونے کے باعث پیدا ہوئیں اور پھر ان کا قانونی علاج کرنے کی جانب وہ متوجہ ہوا۔

دوامی بندوبست، نے خود ایک اعلان کی شکل اختیار کی جو مجموعہ قوانین میں ضابطہً اقول قرار پایا۔ ہندوؤں کو دھرم کی باشندگان ملک میں کثرت ہے، صریح طور پر مطلع کیا گیا ہے کہ چون کہ زراعت، حال کی طرح ماضی میں بھی اس ملک کی دولت کا ایک اہم جزو رہی ہے اس لیے برطانوی حکومت کا مقصد یہ ہے کہ تجارت کو وسیع کرے، امدادتی دستور العمل کی اصلاح کرے اور طغیانی اور خشک سالی کے وقوع میں نہ آنے کا انتظام کرے۔

لارڈ کارنوالس نے اپنے مجموعہ قوانین حدالت و مال کے علاوہ یہ قاعدہ بھی مقرر کیا کہ کلکٹروں کے سرکاری افعال کے خلاف ملک کی دیوانی عدالتوں میں کارروائی کی جاسکتی ہے اور یہ کہ حکومت پر بھی معمولی افراد کی طرح استحصال بیجا یا مالکان اراضی کے حقوق سے روگردانی کے متعلق ناش کی جاسکتی ہے اور ایسے مقدمات کی سماعت صرف وہی جج کر سکیں گے جو حکومت کے مالی مطالبات جاری کرنے میں بلا واسطہ یا ذاتی دل چسپی نہ رکھتے ہوں۔ گورنر جنرل نے عملاً

اس خیال کو رفع کر دیا تھا کہ کلکٹر ایک اعلیٰ مجسٹریٹ کا قایم مقام ہے جس کی بے صوابطگیاں معمولی عدالتوں کے اختیار سماعت کی حد سے خارج ہیں اور وہ صرف اس جماعت عاملہ کے آگے جواب دہ ہے جس کے تحت وہ خدمت انجام دیتا ہے۔ متعدد سیاسی و فوجی اہم معاملات بلاشبہ قانونی عدالتوں کے اختیار سماعت سے خارج رکھے گئے تھے لیکن ۱۷۹۳ء سے ان تمام امور کے بارے میں جو ذاتی و غیر منقولہ جائیداد سے متعلق ہوں حکومت نے ایک قانون کی زبان میں ایسے حقوق و اختیارات سے یہ حیثیت عاملانہ انحراف کرنے کے اختیار سے خود کو محروم کر دیا تھا جو اس نے یہ حیثیت جماعت قانون ساز مالکان اراضی کو عطا کیے ہوں۔

مختلف دیگر اہم مسائل نے بھی کارنوالس کی توجہ کو اپنی طرف جاری رکھا۔ ملک منظم کی افواج کے انگریز افسر یا طرفدار ان شاہی جیسا کہ انہیں کہا جاتا تھا اور ہندوستانی پیادہ افواج کے عہدہ داروں کے مابین بہت رشک و جد تھا۔ فرماں روا نے انگلستان کا کسی وقت بھی اس خیال کو ترک کر دینا غیر اغلب معلوم ہوتا تھا کہ ایسے افسر جن کے پاس اس کا پروانہ تقریر ہو ان اشخاص کے مقابلے میں برتری کے مستحق ہیں جن کے تقریرات خود اس کی رعایا کی ایک تجارتی جماعت نے کیے ہوں۔ یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ اس زمانے میں بنگال اور مدراس کی ساری یورپین اور ہندوستانی افواج کی تعداد ستر ہزار نفر سے زیادہ نہ تھی۔ ان میں سے صرف پانچ ہزار ملک منظم کی افواج میں تھے اور تقریباً اتنی ہی تعداد بمبئی کی یورپین یا انگریزی فوج کی تھی جو بمبئی نے انگلستان میں بھرتی کی تھی۔ مورخ الڈر فوج و ناکارہ افراد کا ایک مجموعہ، تھی اور کارنوالس فوراً سمجھ گیا کہ اُس سے معیار معین پر لانے اور قواعد داں و کار گزار بنانے کے لیے جو اوصاف کہ بعد کو اُس سے حاصل ہوئے یہ ضروری ہے کہ نظم کو علانیہ نئے سپاہیوں کی بھرتی کرنے کی اجازت دی جائے اور ان رنگروٹوں کو فوجی قانون کا پابند کیا جائے اور انہیں مشرق کو ان کی تاریخ روانگی تک ان کے

خاص افسروں کے زیرِ کمان رکھا جائے۔ ڈنڈا اس لئے زیادہ دُور بینی سے کام لیا اور اس نے شاہی فوج اور بچہنی کی فوج کو ضم کر کے ایک ہی فوج بنانے کے لیے فی الواقع ایک یادداشت تیار کی۔ کارنوالس نے یہ تسلیم کیا کہ اگر بچہنی کی فوج صرف انگریزوں پر مشتمل ہوتی تو انضمام ایک نہایت آسان امر ہوتا، لیکن اس نے تقریباً اُن چار سو افسروں سے سروکار رکھنے میں بڑی دشواری دیکھی جو ہندوستانی رجمنٹوں میں ملازم تھے اور جو عام طور پر فوج کے بہترین افراد تھے اور سپاہیوں کی زبان کا طور و طریق اور مذہب ہی رسم و رواج سے بخوبی واقف تھے۔ لہذا انضمام کا مسئلہ پانچ سو سال کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ لیکن ایک تجویز جس کی اپنا کارنوالس نے ڈالی تھی انجام کار نافذ کی گئی اور اس کی رُو سے بچہنی کے افسروں کو ہندوستان کی ملازمت کے دوران میں اپنے اپنے پروانہ تقرر کی تاریخ کے بموجب شاہی رجمنٹوں کے برابر درجہ حاصل کرنے کی اجازت دی گئی۔ افسروں کی ان دو جماعتوں کا باہمی حد فوجی خدمت گزاری کے احساں کے باعث اگرچہ جملے اور لڑائی کے وقت ہمیشہ ایک حد کے اندر یو شیدہ رہتا تھا تاہم زمانہ امن میں وہ اکثر نمایاں ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن کسی ایسی مثال کا پتہ چلانا آسان نہیں معلوم ہوتا جہاں اس قسم کی اجتماعی عداوت سے فوجی کارروائیوں میں کوئی خلل یا رکاوٹ پیدا ہوئی ہو۔ ہندوستان کی بعض عظیم ترین فتوحات بچہنی کے ایسے افسروں نے حاصل کی ہیں جن کے زیرِ کمان بادشاہ اور بچہنی کے سپاہیوں کی ایک متحدہ فوج تھی۔ یا جو عوام نفع رسانی کا خیال رکھنے اور ہندوستانیوں کے جذبات کی کافی قدر دانی کرنے کے کارنوالس اس ایک خطرے سے بالکل آگاہ تھا جس سے ہندوستان کسی زمانے میں بھی محفوظ نہیں رہا۔

وہ مجلسِ نظام سے کہتا ہے کہ یہ عام طور پر تسلیم کیا جانا چاہیے کہ ایک بڑی اور عمدہ باقاعدہ یورپین فوج کے بغیر کسی گراں بہا سلطنت پر ہمارا قبضہ نہایت غیر مستحکم رہے گا۔ یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ بہترین برتاؤ بھی ہمیشہ ایسی

ایسی جماعتِ باشندگان کی رضامندانہ اطاعت کا ضامن رہے گا جو ہم سے قانونِ
 مہب اور رسم و رواج کے تقریباً ہر معاملے میں مختلف ہے اور افراد کا ظلم،
 لومست کی غلطیاں اور متعدد غیر متوقع اسباب بلاشبہ بغاوت کا رجحان پیدا
 کریں گے۔ ایسے مواقع پر ان کی اطاعت حاصل کرنے کے لیے ان کے ہم
 لموں پر جن سے ہندوستانی رجٹس ترتیب دی گئی ہیں زیادہ بھروسہ کرنا
 نشمندانہ فعل نہ ہو گا؛ گورنر جنرل کا یہ آخری کلام نہ تھا لیکن اس کی نسبت
 نہ کہتے ہیں کہ وہ مقدس لبط کا نغمہ تھا جس میں آواز اور نطق انسان کا ساتھ

— لبط کی نسبت قصہ مشہور ہے کہ مرنے سے پہلے وہ گاتا تھا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ مذکور بالا کلام کے
 ارنوالس کے ذکر کا خاتمہ تھا۔

پانچواں باب

خانگی زندگی اور اجتماعی سم رواج

جہاں ہنری ڈنڈ اس سے کارنوالس کے تعلقات ان کے باہمی اختلاف کے وقت بھی نہایت خوشگوار تھے اور ان دونوں کی مراسلت ہندوستان کے نظم و نسق کے متعدد اہم صیغوں پر ناصحانہ و مدبرانہ رایوں سے مملو نظر آتی ہے وہاں یہ بھی ظاہر ہے کہ سیول سروس کا معیار قابلیت بڑھانے کے متعلق کارنوالس کی مساعی میں اُن سفارشات سے جو انگلستان کے بعض اُمرا اپنے احباب و اقارب کی ترقی کے لیے کرتے رہتے تھے بہت کچھ رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ اس زمانے میں سیول سروس کے داخلے کے لیے کوئی خاص قواعد اور سخت قیود نہ تھیں بلکہ مختلف مواقع پر حکومت کا اعلیٰ عہدہ دار اپنے صوابدید سے ایسے امیدواروں کے تقررات کرنے میں کام لیتا تھا جو مجلسِ علما کے فرستادہ نہیں ہوتے تھے یا جو بطورِ خود چیل نکلتے تھے جیسا کہ روایتِ مشہور تھا۔ ایک مستقل مزاج اور انصاف پسند شخص کے ہاتھوں اس بات کا امکان نہ تھا کہ مدارجِ ملازمت کو نظر انداز کر کے اختیارِ انتخاب کا بیجا استعمال کرے گا۔ لیکن اُمرا و دیگر

ملاقاتی کارنوالس کو یہ لکھنے میں ذرا بھی تاہل نہ کرتے تھے کہ فلاں شخص کو کوئی منفعت بخش اور سہل خدمت دی جائے۔ ایک امیر کو تو کارنوالس نے یہ جواب دیا کہ میں نے کسی ایسے دوست کا حال جو بخشی ہو نہیں سنا ہے اس لیے جب تک وہ مجلس نظام کی جانب سے نہ بھیجا جائے اُسے ترقی دینا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی خط میں کارنوالس لکھتا ہے کہ تجارتی کوٹھی میں مسٹر سیچ کرافٹ کا تقرر کرنے سے مجھے خوشی ہوتی اگر اس کاروبار میں اس کی کامیابی کا امکان ہوتا۔ لیکن جناب والا یہاں ہم عام طور پر خدمت کے لیے موزوں شخص کی تلاش میں رہتے ہیں اور کسی شخص کے لیے خدمت نہیں ڈھونڈتے۔ کسی دوسرے امیر نے ایک نوجوان شخص راس نامی سابق شاہی خدمت گار کی سفارش کی۔ وہ ایک آزاد تاجر بن کر باہر نکلا تھا۔ راس کا نام اس زمانے کے ملازمانِ بھینی کی فہرست میں ملتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ نمایاں اسی اس سلسلے میں شہزادہ ویلز دلی عہدے کی تھی۔ اس کا ایک پروردہ ٹریوڈ نامی تھا جسے بنارس کی دیوانی عدالت میں ملازم ہونے کی آرزو تھی۔ اس خدمت پر اس وقت ایک سیاہ فام علی خاں نامی مامور تھا۔ اس شخص کا صحیح نام علی ابراہیم خاں تھا۔ یہ فی الحقیقت قابل آدمی تھا اور اس کی عام طور پر عزت کی جاتی تھی۔ کارنوالس نے شہزادہ مذکور کو جواب میں یہ لکھا کہ اگرچہ بھینی کے ملازمین کو دیوانی و فوجداری عدالتوں کے اعلیٰ عہدہ دار بنانے کا میں خواہش مند ہوں لیکن موجودہ عہدہ دار کو ہٹانا ایک دشوار اور غیر ہر دل عزیز امر ہوگا اور بالآخر علی خاں کل مرتبہ بھی جائے تو بھی یہ جگہ مسٹر ٹریوڈ کو دینی ممکن نہیں کیونکہ اس کی مدتِ ملازمت نیز نو عمری کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسی اہم اور ذمہ دارانہ خدمت پر اس کو مامور کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

پھر ایک سال کے بعد شہزادہ ویلز دلی عہدے نے ایک نوجوان مسٹر وائٹس کی سفارش کی۔ وائٹس چاہتا تھا کہ بھینی کی فوج میں جو عہدہ اُسے حاصل تھا اُس کے مساوی ایک عہدہ فوج باقاعدہ میں مل جائے۔ لیکن اُسے اخلاقی سیر میں یہ جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بعد ازاں وائٹس نے مغربی ہند کی جڑی میں ایک عہدہ حاصل کر لیا۔ اس قسم کی سفارشات کو گورنر جنرل نے ایک خط میں

جو اپنے بھائی یعنی لیچ فیلڈ کے اُسقف کے نام لکھا تھا قبیح و غیر واجب اور بیان کیا ہے۔

کارنوالس کو دوسری مشکلات کا مقابلہ کر کے ان پر غلبہ حاصل کرنا پڑا۔ ایک موقع پر شہزادہ ویلز (ولی ہد) نے معمولی طور پر ایک نوجوان آدمی کی جو کیڈٹ ہو کر جا رہا تھا سفارش کی کہ گورنر جنرل اس کے ساتھ ایسا معاشرتی لیٹا کرے جو اس کے خیال میں مناسب ہو۔ لیکن دوسرے مسئلے میں مجلسِ نظام نے کارنوالس کی احانت بالکل جائز طور پر کی۔ منجور کے راجہ اور بنگال کے نواب جیسے حکمرانوں نے جن اشخاص کو انگلستان میں اپنی نمایندگی کرنے کے لیے متعین کیا تھا انہیں مجلسِ نظام نے نمایندے تسلیم کرنے کی نسبت سخت اعتراضات کیے۔ نظام کا فیصلہ یہ تھا کہ ان والیان و سردارانِ ملک کی تمام مراسلت جو خود کو تکلیف زدہ خیال کرتے ہیں صرف حکومتِ ہند کے باقاعدہ توسط سے وصول ہونے پر قابلِ توجہ ہوگی اور یہ صحیح نظیر کسی اعلیٰ نظم و نسق میں بغیر خلل اندازی و دہشت آفرینی کے کبھی نظر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی اصول پر کاربند ہو کر کارنوالس نے نواب و وزیر اور دھ کے ایک تعریفی خط کو جس کے ساتھ اس نے شاہی معالج ڈاکٹر ولس کے لیے پچیس ہزار روپیے بھیجے تھے انگلستان روانہ کرنے سے قطعاً انکار کر دیا۔

ایک بلند پایہ ہستی کو بطور تہنیت ایک سو ایک اشرفیوں کی جو نذر ایک کم رتبہ شخص نے پیش کی تھی جس کے ساتھ ڈاکٹر ولس کے نام سات ہزار روپیوں کی ایک رقم بھی تھی اور شاہی محل کے پڑوس کے غربا کے لیے جو مزید سات ہزار روپیے بنگال کے نواب نے ارسال کیے تھے ان سب چیزوں سے شائستگی کے ساتھ قطعی طور پر انکار کر دیا گیا۔ گورنر جنرل نے ان خطوط کو جن کے ساتھ اس قسم کے تحائف تھے ملکِ معظم شاہ انگلستان کی خدمت میں بھیجنے پر اکتفا کیا۔ اسیدوارانِ ملازمت کی خاطر احباب نے جو تقاضے کیے ان پر کارنوالس کا غصہ لارڈسٹونی کے نام ایک خط میں جس کا حوالہ دیا جا چکا ہے دلچسپ صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے ”میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے میں نے ذکر کیا ہے۔ کہ لارڈ ایلسبری نے مسٹر رٹسو کو بھیج کر مجھے کس قدر رنج پہنچایا۔ اب وہ

دفتر مقتدی میں مقرر ہے اور وہ سویا ڈھائی سو روپیہ ماہوار پاتا ہے اور اس سے بہتر کوئی جگہ اُسے دینے کا امکان بجز اس صورت کے کہ مجھے اس کی جواب دہی کرنی پڑے میری نظر میں نہیں ہے۔ اب بھی ایسے لوگ روزانہ میرا پیچھا کرتے ہیں جو سفارشی خطوط کے ساتھ میرے پاس آیا کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو قید خانے جاتے ہیں یا دوسرے مالک کی نوآبادیوں میں فاقہ کشی کرتے ہیں۔ خدا کے واسطے آپ ان مجنونانہ حرکات کے روکنے کے لیے اپنی پوری قوت سے کام لیں۔“ محول بالا مسٹر رٹو دفتر مقتدی میں فی الحقیقت نقل نویس یا اس شخص کی حیثیت سے مامور تھا جسے محرر صیغہ کہا جاتا تھا۔ زمانہ مابعد میں اس طبقے کے لوگ عموماً یوریشین تھے اور انہیں تعداد الفاظ کے حساب سے نقد معاوضہ دیا جاتا تھا۔ ابتدائے شرح اجرت سات سو پچاس الفاظ کے لیے ایک روپیہ تھی مگر تین سال بعد یہ مقدار چودہ سو الفاظ تک بڑھا دی گئی۔

بد معاظلی کی لعنت ملامت کے اس اظہار کے بعد یہ خوشگوار امر ہو گا کہ وارن ہیسٹنگز کے خطوط موسومہ گورنر جنرل کی جانب رجوع کیا جائے میرا اساتذہ مرتبہ راسخ میں سابق گورنر جنرل کے مواخذے سے متعلق بہت سے حوالے ہیں اور مرتبہ صریح طور پر بیان کرتا ہے کہ کارنوالس اپنے نامور مگر مظلوم پیشرو کی نسبت نہایت اعلیٰ رائے رکھتا تھا۔ اس زمانے کے سرکاری جرائم سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوآبادی کی رائے جو مبصرانہ رائے کہلاتی تھی کامل طور پر ہیسٹنگز کی تائید میں تھی اور اس کی بریت کی خبر سنتے ہی شہر کلکتہ روشنی سے منور کیا گیا اور متعدد باشندوں نے جو ناظم ضلع (کلکتہ) کے منعقد کردہ جلسہ عام میں جمع ہوئے تھے ہنسیتی پیامات ارسال کیے۔ میکالے خوب باخبر تھا جب کہ اس نے یہ لکھا کہ ہر جہاز جو کلکتہ سے روانہ ہوا اپنے ساتھ احباب و مداحان ہیسٹنگز کے خطوط کا ایک پلندہ انگلستان لایا۔ لیکن کارنوالس نے اس کے کیر کر کے متعلق شواہد کے ہیا ہوتے میں کوئی عملی دیکھی نہیں لی اور اس روش کا ذکر جس خط میں کیا گیا ہے وہ دونوں مدتوں کے حق میں اس قدر پر عظمت ہے کہ اس کو یہاں نقل کرنا مناسب ہو گا۔ ۲۲ اپریل ۱۷۹۰ء کو ہیسٹنگز حسب ذیل لکھتا ہے:

آپ نے جو متعدد اور گراں قدر نوازشیں کی ہیں اُن سب کے لیے بہت شکر گزاری مجھ پر واجب ہے۔ آپ نے میرے قدیم متعلقین کے ساتھ نہایت نیکی کا سلوک کیا۔ میرے احباب کا خاص طور پر لحاظ رکھا اور جو شواہد میری تائید میں ثبت ہوئے تھے ازراہ کرم اُن کے پیش ہونے کی فیاضانہ طور پر اجازت دی اور انہیں مجلسِ نظر کی خدمت میں روانہ کر کے اُن کی صداقت کا ثبوت دیا۔ جناب والا آپ اس سے زیادہ توجہ ان تحریرات پر مبذول کرتے اگر مجھے آپ کی ذاتی نیک خیالی کی ضرورت ہوتی اور جیسا کہ چاہیے تھا میں آپ کی اس نیک نیتی کا شکر گزار ہوتا مگر مجھے افسوس ہوتا کہ آپ اس معاملے میں مغلوب ہو گئے۔ ایسی کارروائی کو سرکاری فرائض کی حدود سے متجاوز سمجھا جاتا اور اس سے بجائے خود مقصد فوت ہو جاتا اور اس بدگمانی کا موقع نکل آتا کہ شواہد حکومت کے اثر سے حاصل کیے گئے۔ آپ کی ذات گرامی سے جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے اُس کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں آپ کی اس اعلیٰ فراست کی داد دیتا ہوں جس کی بدولت آپ نے ایک ایسا طرز عمل اختیار کیا جو ایک ستم ریدہ شخص کی انصاف رستی میں اعانت کی خواہش پر مبنی تھا۔ صرف اس نظر سے کہ اس کا اثر میرے اوپر پڑتا تھا آپ نے جو کچھ کیا اُس کا میں شکر گزار ہوں اور اس کا بھی شکر گزار ہوں کہ جہاں آپ کو رُکنا چاہیے تھا آپ ٹھیک ٹھیک وہیں رُک گئے۔ اسی سال (۱۸۷۱ء) جنوری میں کارنوالس نے لارڈ سڈنی کو لکھا تھا کہ ”مقدمے کے حُسن و قبح کے قطع نظر مجھے اس کا بہت افسوس ہے کہ بیچارے ہیسٹنگز کے خلاف اس قدر شور مچا، اس شخص میں یقیناً بہت سی پسندیدہ صفات ہیں۔ اس سلسلے میں کارنوالس نے اپنی رائے کے متعلق چند غیر توصیفی کلمات حوالہ قلم کیے ہیں۔ اس روش سے اُن ناظرین کو تعجب ہو گا جو ہیسٹنگز کے بارے میں اپنے خیالات میکالے کی تحریرات کی بنا پر قائم کرتے ہیں جس کی نظر میں ہیسٹنگز کسی قدر سنگدل تھا حقیقت

حال یہ ہے کہ ہیشنگنگز باوجود اس کے کہ اُسے بعض کینہ پرور اعدا سے دوچار ہونا پڑا پائدار جذباتِ محبت کا انسان تھا اور متعدد مخلص و بلند حوصلہ احباب کا دائرہ رکھتا تھا۔ اس کی عادات و خصائل کو سر فٹز جیمس ایٹکین اور سر الفریڈ لیٹل نے حال میں بالکل مختلف طور سے ظاہر کیا ہے اور اس کا امکان ہے کہ وہ وقت قریب آجائے جبکہ موجودہ نسل کے لوگ اس خیال پر تاسف کریں کہ اُن کے آبا و اجداد غلطی اور بے دردی سے ہیشنگنگز کے دشمن بنے رہے۔

جلیل القدر عہدے پر رہنے کے باوجود کارنوالس اپنی خانگی زندگی میں سادگی اور یکسانی رکھتا تھا اور جب کبھی ممکن ہوتا ایوانِ حکومت کی متوقعہ ہمان داری اور رسم و رواج کو ملحوظ رکھتے ہوئے تکلفات سے گریز کرنے کا خواہشمند نظر آتا۔ مرتب مراسلات لکھتا ہے کہ ہندوستان میں جیسا اب بھی سال بھر بعض عہدہ داروں کا معمول ہے کارنوالس صبحِ الصبح اٹھتا تھا اور ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ہمراہی مفتوح اور سائیکس کے ساتھ دور دراز مقام تک جایا کرتا تھا۔ کھانے میں وہ محتاط بلکہ کم خور تھا۔ بہترین طبی رائیں یہ ہیں کہ ہندوستان میں تندرستی انواع و اقسام کی غذا سے بہت ہی اچھی طرح قائم رہتی ہے بشرطیکہ مقدار میں زیادہ نہ ہو۔ سر جان کیٹنی نے بیان کیا ہے کہ ہندوستان میں مشکل سے شخصی طور پر کسی لباس یا غذا کی تخصیص ہو سکتی ہے۔ معتدل آب و ہوا کے ملک میں فی الواقع جو چیزیں غیر ضروری ہیں وہ ہندوستان میں زندگی اور آرام کے لیے قطعاً ضروری ہیں۔ اقل ترین درجے کا سیولین یا فوج کا ایک چھوٹا افسر لکھتا ہے کہ کھانا پیتا ہے اور بالعموم پنکھے کی ہوا میں نصف سال سے زائد مدت تک آرام کرتا ہے اور مسادیا نہ طور پر ویسے رائے اور سپہ سالار اعظم کی طرح دن میں دو مرتبہ اپنے کپڑے بدلتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دستور العمل اور ضابطہ کار سال کے بیشتر حصے کے لیے قدرت کے اہل قوانین مقرر کرتے ہیں۔

عام قاعدے کے بموجب یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اکثر اشخاص تقریباً ساڑھے دس یا گیارہ بجے سوتے ہیں اور انگلستان کی بہ نسبت یہاں صبح کو جلد تر اٹھتے ہیں اور ہندوستان میں بہت سے اہم امور مثلاً یادداشتیں،

فیصلے، روادیں، بالادستوں اور زیر دستوں کے ساتھ خط و کتابت، قید خانوں اور پولیس کے تعانوں کے معاملے چاشت سے قبل ہی ختم کر دیے جاتے ہیں۔

کارنوالس اپنے سرزند لارڈ بروم (رائیونین) کو لکھتا ہے کہ کلکتے میں میری زندگی بالکل باقاعدہ ہے چنانچہ میں روزانہ ٹھیک صبح صاوق نمودار ہوتے ہی گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں۔ ایک ہی سڑک پر اور ایک ہی فاصلے تک جاتا ہوں اور سواری سے واپس ہو کر ظہر تک کا سارا وقت سرکاری کام میں صرف کرتا ہوں اور تقریباً اتنا ہی وقت ہر روز کھانے میں لگ جاتا ہے۔ مغرب سے کچھ پہلے فٹن گاڑی میں ہوا خوری کو جاتا ہوں۔ بعد ازاں دو گھنٹے تک خطوط یا کڑیاں کاغذات لکھتا یا دیکھتا ہوں۔ نو بجے دو تین رشتہ دار عہدہ داروں کے ساتھ بیٹھ کر کچھ میوہ اور بسکٹ کھاتا ہوں اور ٹھیک دس بجتے ہی سو جاتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ آئین کا بڑے سے بڑا الحق اس سے زیادہ غیر دلچسپ زندگی بسر کر سکتا ہے۔

ان احوال کی توضیح میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کلکتے میں شام کے کھانے کا معمولی وقت اس زمانے میں چار بجے کا تھا اور رات کا کھانا جس کا ذکر اوپر خط میں کیا گیا ہے ایک قسم کا زود ہضم طعام ہوتا تھا۔ مدت گزری کہ ان اوقات میں مناسب تبدیلی کر دی گئی اور اب ہندوستان میں ہر شخص شام کی سواری یا ہوا خوری کے بعد شب کے آٹھ بجے یا جلد سے جلد ساڑھے سات بجے کھانا کھا لیتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اب کم از کم گرما اور بارش میں صبح کی سواری ترک کر دی ہے۔ جاڑے کے خوشگوار موسم میں گھڑ دوڑ کا میدان، چھاؤنی مال کی سڑک اور قواعد کا میدان یہ سب چہل پھل اور جوش و خروش سے معمور ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں پہاڑی مقامات پر قبضہ ہوا تھا اور نہ ان کا حال معلوم تھا۔ بیماروں یا جفاکش عہدہ داروں کو ایک یا دو ہفتے دریا ہی ہوا خوری کی غرض سے مدراس، رنچن، سنگاپور یا ملبے لے جانے کے لئے کوئی جہاز نہیں تھی۔ لارڈ ولزلی نے عظیم الشان ایوان حکومت جہاں سے کلکتے کے آپسینڈ پر نظر پڑتی ہے بعد میں بنایا تھا اور قرب وجوار میں بارک پور کے دیہی مکان کی مانند کوئی علیحدہ قیام گاہ نہیں تھی جہاں ویسرے ہر اٹھوارے، جمعے کو شرکت مجلس کے بعد جا کر

آئندہ دو شنبہ یا شنبہ تک الگ رہ سکتا۔ لیکن جو طریق زندگی دارنہ شینگرنے کارنوالس کے سامنے اختیار کیا تھا اور جس پر اس وقت سے متعدد جج مشیران مجلس معتدین و عمدہ داران فوج عمل کرتے چلے آئے ہیں اسی کی تقلید یہی کارنوالس نے بھی اپنی بے لطف زندگی کو خوب دلچسپ بنا لیا۔ سر ولیم جونس مستشرق اعظم جو اس زمانے میں جج تھا اور جس سے گورنر جنرل نے قانون فوجداری میں تغیرات مجوز کی نسبت مشورہ لیا تھا کلکتے سے تین چار میل کے فاصلے پر کارڈن ریج میں رہتا تھا اور اس کا ایک دیہی مکان بھی ضلع قندیا کے صدر مقام کرشن نگر میں تھا جو ساٹھ میل کی مسافت پر ہے اور جہاں کشتی یا پالکی کے ذریعے آسانی پہنچ سکتے ہیں۔ اس مکان کے کھنڈر چالیس سال قبل اس زمین پر صاف نظر آتے تھے جو اب کرشن نگر کالج سے گھری ہوئی ہے۔ لارڈ ولزلی کی طرح جو اپنا سرکاری لباس زیب تن کیے یکشنبہ کو عام عبادت میں شریک ہوتا اور تمام سرکاری ملازمین کے نام حکم جاری کرتا تھا کہ اتوار کو کھڑو و ڈموٹوف نہ رہے اگرچہ کارنوالس نے رسمی و نمائشی امور میں پیش قدمی نہیں کی تاہم اس نے عام اخلاق کی عمدہ مثال قائم کی۔

کارنوالس عام خاطر داری میں بھی بخل نہیں کرتا تھا۔ سٹاک ایف میں وہ اپنے بھائی کو جو استعفت تھا لکھتا ہے کہ میں شیو کے خلاف جنگ و جدل میں بڑی حد تک مفلس ہو گیا ہوں۔ میں نے یکم دسمبر ۱۸۴۹ء اور ۳۱ جولائی ۱۸۵۰ء کی درمیانی مدت میں رائج الوقت روپیے کے دو شلنگ کے حساب سے ستائیس ہزار تین سو ساٹھ پونڈ صرف کیے، اس کے علاوہ انگلستان سے شراب منگائی اور دو عربی گھوڑے بھی لیے جن کے عوض مجھے انگلستان کے شکاری گھوڑے دیئے ہیں، کلکتے کی سوسائٹی میں کارنوالس کے اطوار کی عام سادگی ایک خوب دل نشین روایت ہو گئی تھی اور اس کی طرف نہایت عمدگی سے ایچ ایم پارکر مرحوم (سیول ملازم بحال) نے مسٹر بیس سے متعلق جس کا فرضی نام ٹم لیکن ڈاٹر تھا اور جو ایک بڑی تجارتی کوئی کافشی تھا اپنے مرثیے کے بعض نفیس بندیں حسب اشعار ذیل اشارہ کیا ہے:

سر سے پائک وہ مجسم داستانِ شقی تھا اس زمیں پر تھا مگر وہ آسمانِ عشق تھا
بھریا تھا جام میں اس نے تراؤں کا مزا لڑنے میں انوکھی داستانوں کا مزا

ملکہ۔ بول پوٹیکس جلد اول دوم صفحہ ہنری میرٹھ پارکر۔ مرثیہ متعلق پر مسٹر بیس۔

ڈکٹر نے کیا بتاؤں ہم وہ صہبا تاک
 کر دیا تھا کس طرح جیب گریباں چاک کھا
 کیف سے مرشارتھی روح زمین آسمان
 کیا قیامت تھیں مرے نواب کی برستیاں!
 دشت میں سبزہ بچھا تھا بنجر کی طرح
 گھومتا پھرنا تھا وہ گاڑی میں بادل کی طرح
 نغمہ سنجی کا طریقہ مستیوں کا طور تھا
 ہائے کیا پیارا زمانہ، کس مرے کا دور تھا

مذکورہ بالا روایت اس انسان کے سادے اطوار کو واضح طور پر بتاتی ہے۔
 کارنوالس سوسائٹی کے صدر کی حیثیت سے جیسا کہ اس زمانے کے اخبارات کے
 مندرج ذیل اقتباسات شہادت دیتے ہیں عام تہواروں اور تعطیلوں میں بڑی بڑی
 دعوتیں کرتا تھا۔

دور انٹ آرنیبل گورنر جنرل کی دعوت کی بنا پر متعدد معزز اشخاص بہ تقریب
 نوروز قدیم کو رٹ ہوس اسٹریٹ میں جمع ہوئے جہاں ایک شان دار ضیافت ترتیب
 دی گئی تھی۔ حسب معمول جام ہائے صحت کا جواب توپوں کی سلامی سے دیا گیا اور
 اپنی وفاداری و حب الوطن کے لحاظ سے یہ جام ہائے صحت اسی امتیاز کے مستزاور
 تھے۔ رات کو رقص کرنے والوں کی تعداد محدود نظر آئی مگر یہ نظارہ بالکل ایسا ہی پُر رونق
 اور دل کش تھا جیسا کہ بادشاہ کی سالگرہ کے اعزاز میں دعوت کے موقع پر ہوا
 کرتا ہے۔ لیڈی جیمز بس اور کرنل پیرس نے اول ایک خاص قسم کا رقص کیا
 اور بعد ازاں دوسروں کا ناچ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہا جب کہ
 رات کے کھانے کی میزیں لگائی جا چکی تھیں جن پر نہایت ہی نفاست پسند
 عیش پرستوں کی حرص پوری ہونے کے تمام لوازم موجود تھے یہ
 چوتھی جون بادشاہ کی سالگرہ کی تاریخ تھی مگر اس کا انعقاد کلکتے میں بہ زمانہ

مسل۔ آخری صدی کے زمانہ اختتام میں ڈکٹر ایسے اصطبل کا داروغہ تھا جہاں گھوڑے کرائے
 پر چلانے کے لیے رکھے جاتے تھے۔

مسل۔ نواب سے مراد لارڈ کارنوالس ہے۔

مسل۔ مقبضات کلکتہ گزٹ از مصنف۔

سرمہ۔ ہوتا تھا۔ گرنیل پیرس ٹوپ خالے کا ممتاز افسر تھا اور لیڈی چیمبرس صدر ہوا
 جسے ایک جج سر رابرٹ چیمبرس کی بیوی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ کارنوالس کو اندرون ملک زیادہ دورے کرنے کا وقت
 نہیں ملا یا اس نے ان کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لارڈ ولزلی نے کشتی کے ذریعے گنگا کے
 تمام صدر مقامات پر قیام کرتے ہوئے صوبجات شمال مغربی کے ایک تکلیف دہ
 سفر میں کئی چھینے صرف کیے۔ لیکن کارنوالس احاطہ مدراس میں دو سال تک ٹیپو سلطان
 کے ساتھ نبرد آزمائی میں بہت مصروف رہا، اور اسے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانے
 میں جو کام کرنا پڑا وہ بعینہ اس نوعیت کا تھا کہ اپنے رفقاء کے مشوروں اور یادداشتوں
 و تحریروں کے باہمی تبدیل سے بہ حسن و خوبی انجام پاسکتا تھا۔ جب تک اس نے
 سیول سروس کی از سر نو اصلاح اور تنظیم نہ کی اور وہ اصول مقرر نہ کیے جن سے
 مالدار کی تشخیص و تحصیل میں حکومت کی رہنمائی ہوتی ہو اس وقت تک فی الواقع
 کوئی محکمہ ایسا نہ تھا جس کے ذریعے سیول سروس کی جدید ترتیب یا مالگزاری
 کی نگرانی ہو سکتی تھی۔ مرشد آباد اپنے اور ڈھاکے کی اشد کابذات خود مدائنہ
 کرنے سے کوئی ایسی چیز اسے ہاتھ نہ آتی جو بحسنہ احاطہ مدراس میں نہ مل سکتی
 تھی اور بجز ایک موقع کے اسے سرحد اور بڑے بڑے تہذیب یافتہ شہروں
 میں ایسے دورے کرنے کی ضرورت نہ تھی جو اب و یسرا یوں اور گورنروں
 کے فرائض منصبی میں شامل ہو چکے ہیں اور جن کے ذریعے حکومت کے کل نظم و
 نسق کی تنقیح، آزمائش اور اصلاح کی جاتی ہے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ گورنر جنرل، مجلس مال کا صدر ہونے کے علاوہ
 باعتبار عہدہ صدر عدالت یا اعلیٰ ترین دیوانی و فوجداری عدالت مرا فہ کارکن
 بھی تھا۔ اس محکمہ عدالت کے فیصلوں کی ایک قدیم رو داد میں یہ صریح طور پر
 درج ہے کہ گورنر جنرل رکن عدالت کی حیثیت سے موجود تھا لیکن گمان
 غالب ہے کہ اس نے کسی بحث و محصل میں کوئی علی حصہ نہیں لیا اور محض
 ایک ہی موقع پر ضابطے کی خاطر شریک ہوا تھا۔ یہ بات زیادہ عجیب و غریب ہے
 کہ اس کے خطوط میں جنگ یک کی کے رواج کا ذکر نہیں ہے جس کا اس

وقت ہندوستان میں عام طور پر موجود ہونا اُس زمانے کے سرکاری کاغذات اور اخبارات سے پایا جاتا ہے۔ شاید ایک فوجی افسر کو اس قسم کے واقعات سرسری امور معلوم ہوئے جو مروج قانون اعزاز کے مطابق ضروری تھے۔ لیکن کارنوالس ہندوستانیوں کی حالت اور ان کے ساتھ برتاؤ کا بہت خیال رکھتا تھا چنانچہ جب فوجی عدالت کے افسروں نے اپنے ایک ساتھی کو جس پر کسی غریب ہندوستانی کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کرنے کا الزام لگایا گیا تھا نہایت صریح مبین شہادت کے باوجود بری کر دیا تو گورنر جنرل نے ایک یادداشت میں ایسی ضرر رساں تحریر سے ان خطاکاروں پر لعنت طامت کی جو ڈھونڈی یا گینگ کے قلم ہی سے نکل سکتی تھی۔

اکیس کہیں سیر و شکار کی جانب بھی اشارے پائے جاتے ہیں۔ کفورڈ میں تیسروں کا شکار خاص کر نومبر و دسمبر میں خوب ہوتا تھا، اور چونکہ پرندوں کے ہنکانے کا رواج اس زمانے میں معدوم تھا اس لیے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اور جگہوں کی نسبت جو فی الوقت ہماری نظر میں ہیں زیادہ تر میدانوں میں جانوروں کا جو جھاڑیوں کے تلے پوشیدہ رہتے تھے شکار کیا جاتا تھا۔ لیکن کسی مشہور مراسلت میں بھی ہم شیر، ہرن یا بیٹھنے کے شکار کا حال نہیں پاتے حالانکہ ان اضلاع میں جہاں اب درخت اور گھاس کے جنگل بالکل کاٹ دیے گئے ہیں اور جو دیہاتوں کی بے شمار تعداد رکھتے ہیں اور فی مربع میل پانچ سو نفوس کی آبادی پر مشتمل ہیں ہرن، جنگلی سور، چیتے اور شیر اس زمانے میں اکثر آیا کرتے تھے۔

حکومت کی معاشری حالت کی نسبت بعض اور تفصیلات بھی مذکور ہیں ان سے ہندوستان میں ہمارے آباد اجداد کی جو عادات اور طور و طریق رہیں ان کی توجیح ہوتی ہے نیز گورنر جنرل کے کیرکٹر اور وقتے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

کارنوالس اہم امور میں اس قدر زیادہ مہذب نہ تھا کہ وہ باشندگانِ ملک کی تندرستی و آسائش کی تجاوز پر غور کرنے کے لیے وقت نہ نکال سکتا۔ اپنی آمد کے بعد ایک ہی سال کے اندر اس نے گورنر فورٹ ولیم کی حیثیت سے ساکنانِ قلعہ

ملے۔ یہ عہدہ اس منصب سے علیحدہ تھا جو پیشیت گورنر جنرل اُسے حاصل تھا۔

کو چلتے ہوئے فیتلوں اور مشعلوں کے استعمال سے رُوک دیا اور قلعے کی دیواروں اور تنگ راستوں پر موم پٹی والی لالٹینوں کو کام میں لانے کی اجازت دی۔ اس نے کفری، فیملہ اور ملا یا لوگوں کے جتھوں کو چونکہ وہ بڑی بڑی بے ضابطگیوں کے مرتکب ہوئے تھے اور کلکتے اور اس کے اطراف و اکناف میں لوٹ مار کر چکے تھے یہ حکم دیا کہ وہ فلاں تاریخ سے پہلے جہاز میں سوار ہو کر کہیں دور نکل جائیں مبادا انہیں کوئی سخت سزا بھگتنی پڑے۔

گرنیل پیرس کے زیر نگرانی ڈم ڈم میں منجنیق کا استعمال کرنے نیز گولے کے ساتھ توپ چلانے کی جو مشق ہوتی تھی اُس کے دیکھنے کے لیے کارنوالس ضرورت نکال لیتا تھا۔ وہ نئے گر جا کی تقدیس میں شریک تھا جسے اب کینیڈہ قدیم اُس گر جا سے تمیز کرنے کے لیے کہا جاتا ہے جو پادری ولسن کے حلقہ استغفی میں تعمیر ہوا ہے۔ مشہور میں سرکاری کشتی میں لنگا پار جا کر اُس نے بنارس کا معائنہ کیا۔ اس سفر کی رفتار واجبی طور پر حیرت انگیز خیال کی جاتی ہے کیونکہ ایک مدیر نے یہ بیان محفوظ کر لیا ہے کہ دریائے مذکور کے مختلف مقامات پر کیشنگر، بھاگل پور، پٹنہ وغیرہ پر ٹھہرنے کے ایام شامل کر کے ایک ہفتے میں کارنوالس بنارس پہنچا۔ اس سفر کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے عام طور پر نہ صرف یورپیوں بلکہ دیوانی و فوجی ملازموں کو بھی بغیر سرکاری اجازت کے بکسر سے آگے بڑھنے کی ممانعت کر دی۔ دوسرے یہ طال انگیز واقعہ بھی اسے معلوم ہوا کہ فوج کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ہمدار اسراف اور اوباشی کے باعث مقروض ہو گئے ہیں۔ اس صورت حال کی شکایت ایک معزز انگریز تاجر نے بھی کی جو کانپور میں مقیم تھا۔ اس تاجر نے مختلف رقوم بطور قرض ہمدہ داران مذکور کو دی تھیں اور ان کے واپس حاصل کرنے کا اُس کے پاس کوئی ذریعہ ہجر اس کے نہ تھا کہ کلکتے کا تکلیف دہ سفر کر کے صدر عدالت میں چارہ جوئی کی جائے۔

فی الحقیقت لارڈ آکلینڈ کے زمانے سے قبل تک اندرون ملک کے تمام انگریز عام دیوانی عدالتوں کے سامنے جواب دہ گردا لے گئے تھے۔ اس وقت کارنوالس ہی کر سکتا تھا کہ مقروض ہمدہ داروں کو تسنبہ کرے کہ اس قسم کے مقدمات

کی سماعت کا اختیار جو عدالت رکھتی ہے یا جسے اس کا مجاز کیا جائے وہاں انہیں بھیجنے کی وہ کارروائی کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بالعموم فوج کے عہدیداروں کو مزید تنبیہ کی گئی کہ وہ ناظموں کے مقرر کردہ عہدہ داروں کو کسی مقام پر جی کہ صوبے کے دور دراز اضلاع میں بھی ان کے فرائض کی انجام دہی سے نہ روکیں۔ بہر حال یہ شک و شبہ ہو سکتا ہے کہ ایسے عہدہ دار طلب نامے اور حکیم گرفتاری کی تفصیل شمالی ہندیا مضافات کلکتہ کے سوا کسی اور جگہ کرا سکتے تھے یا نہیں۔ علاوہ بریں ہمارے یہاں بہت سی ضیافتوں، رقص و سرود کی محفلوں، رات کی دعوتوں اور تقریجی جلسوں کی اطلاعیں موجود ہیں اور کلکتہ کے عین وسط میں ایک ڈکیتی کے وقوع کے وقت جب کہ قزاق تقریباً چار ہزار روپیے لوٹ لے گئے پولیس کے ہندوستانی اشخاص کی جو نااہلی ثابت ہوئی اس کے متعلق ایک نصیحت آمیز رائے زنی بھی ہیں حاصل ہو گئی ہے۔

رسم غلامی کے خلاف گورنر جنرل باجلاس کونسل کے ایک اعلان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کو بھگالے جانے اور انہیں اندرون ملک بھیج دینے یا ممالک غیر کو روانہ کر دینے کا طریقہ یقیناً عام طور پر جاری تھا۔ ایک حکم کے ذریعے ہندوستان کے ہر حصے میں بلا اجازت بند و قول، توپوں اور جنگی ذخیروں کی فروخت و منتقلی ممنوع ہو گئی۔ ایک اور حکم کی بنا پر ضلع ترمہت میں ایک سرکاری اصطبل قائم ہوا اور اس کے داروغہ کے پاس مالکوں کو اپنی اپنی گھوڑیاں بھیجنے کی ترغیب دی گئی۔ اس اصطبل کا انتظام حال حال تک موجود تھا۔ کارنوالس اور اس کے جانشینوں کو جن مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ ان اطلاعات سے واضح ہوتی ہیں کہ تمسکات پر جو تین یا چار مہینے کے لیے جاری ہوئے تھے بارہ فی صد سود مقرر تھا اور کوئی صورت ایسی نظر نہ آتی تھی کہ حکومت چھ فی صد سے کم سود پر روپیہ حاصل کر سکے۔ آٹھ اور دس فی صد تو معمولی شرح تھی۔ ایک وقت شیو سلطان کے خلاف لڑائی کی جہم میں مجلس نظام نے مدراس کو پانچ لاکھ روپیوں کی مقدار رقم بھیجنے کی ضرورت سمجھی تھی۔ یہ بات کسی قدر تعجب خیز ہے کہ جب کارنوالس اپنی اعلیٰ خدمت سے

سبک دوش ہوا تو اس موقع پر جلے عام کے منعقد ہونے کا ذکر سرکاری کاغذات میں نہیں ہے۔ وہ ۱۵ اگست ۱۷۹۷ء کو ایوانِ حکومت سے رخصت ہوا، گارڈن میں اپنے جانشین سر جان شور کے ساتھ پورا دن صرف کیا اور دوستوں و اکتشی میں سوار ہوا جو کیکڈگری سے کچھ فاصلے پر اُسے اپنے جہاز تک لے گئی۔ لیک سابق میں مس مہم کے خاتمے پر جس کے ذریعے سرنگا پٹم فتح ہوا، نیز بدر اس کارنوالس کی مراجعت کے وقت مسرت ہائے عظیم کے مناظر دکھائی دیے تھے چنانچہ انگریزوں اور ہندوستانیوں نے اُسے وفادارانہ اڈریس پیش کیے تھے اخباروں میں نظمیں شائع ہوئی تھیں۔ جو عہدہ دار فورٹ ولیم میں مقیم تھے انہوں۔ اُسے تھیں میں ایک شاندار رقص اور طعام شب میں مدعو کیا تھا۔ وقایع نگار کا بیان کہ یہ تھیٹر بہت عمدگی سے آراستہ کیا گیا تھا جس میں انگش اور ٹرنجمن کے آدھے آدمے محسوس گئے ہوئے تھے اور مقدم الذکر شہنشاہ انگش کے ساتھ رومہ کا عقاب علم بجال رکھے گئے تھے اور موخر الذکر شہنشاہ کے ساتھ ویسا کے سرداروں کی کا منظر دکھایا گیا تھا۔ کارنوالس کی واپسی کے ایک سال بعد بھی سالانہ ضیافت میں یہ تقریب یوم سنٹیٹ انڈر روز ترتیب دی گئی تھی اس کا جام صحت بالکل اُسی گرم جوش سے نوش کیا گیا جو اس قسم کی تعاریب کے مواقع پر اسکاٹ لینڈ کے باشندوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ جہاں چھ سال کے عہد حکومت میں کارنوالس نے کبھی فرنگی قوم کے پاس و لحاظ اور قدر و منزلت کو نظر انداز نہیں کیا و ہا ہندوستانیوں کے قلوب میں بھی اُن کے اعلیٰ ترین مفاد کی خاطر اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ وقف کر کے جگہ پیدا کر لی۔ فوج کا سردار اعلیٰ اور سپول سروس کا عہدہ بالایی گورنر جنرل اور نائب السلطنت ہونے کی حیثیت سے جو سہولتیں اُسے حاصل تھیں اُن کی توقع موجودہ زمانے کے وائسرائے کے بارے میں رکھنا عبث ہے کارنوالس نے برطانوی باشندگان کلکتہ کے اڈریس کا جواب دیا تھا اس کے سا سرگزشت کے اس حصے کو ختم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ اڈریس اُسے مجلس نفا کے توسط سے اُس کے ہندوستان چھوڑنے کے ڈیڑھ سال بعد بھیجا گیا تھا۔

۱۶ اپریل ۱۷۹۵ء کو کلکتہ کے منعقد شدہ جلسے کے صدر نشین کو لکھتے ہوئے وہ کہتا ہے:

”میں آپ سے اس تکلیف دہی کی اجازت کا ملتی ہوں کہ اڈریس پرچن اصحا نے دستخط کیے ہیں انہیں آپ مطلع کر دیں کہ حکومت بنگال میں میری سرکاری دفعتی روش کی نسبت عوام کی نہایت معزز جماعت نے جو عمدہ رائے اذراہ لطف و کرم قایم کی ہے اُس سے میں اپنی عزت اور تعریف اسی قدر محسوس کرتا ہوں جس قدر وہ اُن خوش گوار و ہر آمیز الفاظ میں پائی جاتی ہے جن کے ذریعے اُس رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔“

میں یہ استدعا بھی کرتا ہوں کہ آپ اور دوسرے تمام شرکا اس بات کا یقین کریں کہ میں ہیشہ زندگی بھر یاد رکھوں گا کہ اڈریس پرستخط کرنے والوں میں سے متعہ اصحاب کی سرگرمی اور قابلیت کی بدولت میری حکومت کی نہایت اہم و مفید تجاویز میں جو کامیابی ہوئی اس کا میں بدرجہ غایت ممنون ہوں اور میں اپنے کو خوش قسمت تصور کروں گا اگر کسی وقت یہ امر میرے امکان میں ہو کہ جو لوگ خالص طور پر میری قدر دانی و شکر گزاری کے مستحق ہیں اُن سے بذات خود مل کر اپنا خلوص ظاہر کروں یا کلکتہ کے برطانوی باشندوں کی عام خوشحالی کو کسی طرح ترقی دیتا رہوں۔“

یہ جواب بنگال پہنچنے کے کچھ ہی زمانے کے بعد کلکتہ کے باشندے برک کی باز پرس سے وارن ہیسٹنگز کے بالآخر بری ہو جانے پر اُسے ایک تہنیتی اڈریس بھیج رہے تھے۔ مجلس نظا کی خدمت میں کارنوالس کا غالباً آخری مراسلہ مدراس سے ستمبر ۱۷۹۳ء میں لکھا گیا ہے۔ اس مراسلے میں وہ نظا سے کہتا ہے کہ انگلستان اور بالینڈ کے خلاف فرانس کے اعلان جنگ پر اس نے پابند پیکری اور دوسری فراتسی نوآبادیوں کو منلوپ کرنے کی فوری تدابیر اختیار کیں جو کامیاب ثابت ہوئیں۔ اپنی روانگی کی عین ہل چل میں وہ سر جان سٹور کو جو اُس کا دست راست اور مشیر خاص رہ چکا تھا شکریہ کا خط لکھنے کی فرصت پاتا ہے۔ ۱۰ اکتوبر ۱۷۹۳ء کو کارنوالس مدراس سے روانہ ہوا

اور ۳۰ فروری ۱۷۹۷ء کو سواٹوپیکٹ دٹار بے میں لنگر انداز ہوا۔ اس نے
 عام فہم اصول پر جنگال کا طریق مانگزار ی قایم کر کے ایک کا عظیم انجام دیا تھا۔
 سیول سروس کی نوعیت اس نے بالکل بدل دی تھی۔ وہ کسی قدر آرام و سکون
 چاہتا تھا مگر اب بھی اس کے سامنے بہت سا کام تھا۔

چھٹا باب

بنارس کا دوا می بند و بست

صوبہ جات نشیبی میں بند و بست دوا می کے نفاذ کا ایک فوری نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے صوبہ بنارس تک وسعت دی گئی۔ یہ کام کارنوالس کے جانشین سر جان شور نے انجام دیا۔ لیکن خود کارنوالس نے اس صوبے کی حالت پر جو رائے قائم کی تھی اس قدر اہم ہے کہ یہاں وہ درج ہوئی چاہیے۔ شرائط میں دو مختلف موقعوں پر لکھتے ہوئے وہ اپنے خیالات حسب ذیل ظاہر کرتا ہے:

بنارس یقیناً اپنی موجودہ حالت میں انتہائی رشوت ستانی و بد انتظامی کا منظر بنا ہوا ہے۔ اسے دوسری زمینداروں کی مانند مجلس مال کے تحت نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی بجز اس خیال کے کہ اس طرح گورنر جنرل کے کچھ اختیارات سلب ہو جائیں گے۔ وہاں کے زمینداروں اور باشندوں اور ملک کے لیے مجلس مال کی نگرانی کا طریقہ بہتر ہے اور یہ غالباً جلد نفاذ پذیر ہوگا۔ بنارس کے مخفی معاملات کی مجھے اس قدر واقفیت نہیں ہے کہ انہیں فی الوقت باریک بینی کے ساتھ تفصیل وار بیان کر سکوں۔ اگر کوئی غیر متوقع واقعات سد راہ نہ ہوں تو میرا

ارادہ ہے کہ اس سال شمالی مقامات کا دورہ کرنے کی غرض سے جولائی کے آخر میں روانہ ہو جاؤں اور یہ امر میرے لیے بکار آمد ہو گا کہ پہلے ہی سال تمام مکملہ معلوم حاصل کر لوں۔“

دوبارہ وہ لکھتا ہے:

”جیسا کہ میں نے بنارس کے سابق نظم کی نسبت بُرے خیالات ظاہر کیے تھے تحقیقات میں مجھے اس سے بدتر حال معلوم ہوا جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا۔ رزیڈنٹ جسے باقاعدہ طور پر اگرچہ کوئی اختیار نہیں دیا گیا تاہم لارڈ لوک تقریباً مطلق العنانی کے ساتھ ملک پر حکومت کرتا ہے۔ کچھنی کے مقرر کردہ ایک لاکھ روپیے ماہوار کے علاوہ اس کی بالائی یافت یقیناً سالانہ چار لاکھ سے کچھ ہی کم ہوتی ہے۔ مزید براں ملک کی تمام تجارت کا کامل اجارہ اور پروانے وغیرہ عطا کرنے کا اقتدار بھی اُسے حاصل ہے۔ یہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ان تمام نفع و نساں باتوں کے معاوضے میں بنارس کے رزیڈنٹ، گورنر جنرل کے احباب کے شکر گزار رہے ہوں۔ مجھے یہ تصور کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ فلاں رزیڈنٹ نے اپنے پیش روؤں کی نسبت زیادہ روپیہ حاصل کیا ہے۔ عالم الغیب ہی جانتا ہے کہ اُس نے دوسروں کو کیا دیا مگر چون کہ وہ راجہ اور اس کے ملازموں کے ساتھ خوشگوار تعلقات نہیں رکھتا ہے اور جدید تجاویز کی کامیابی کا امکان زیادہ تر جدید اشخاص سے متعلق ہوتا ہے اس لیے وہاں رزیڈنٹ کو علیحدہ کرنا میں نے بہتر سمجھا۔ اگرچہ بہت سے اصحاب خواہشمند بلکہ متقاضی تھے کہ اس عہدے کو حاصل کر کے کچھنی کی ملازمت میں سرگرمی دکھائیں تاہم میرے لیے اپنے خیال کے مطابق جانشین کا حاصل کرنا آسان نہ تھا کیونکہ میں رزیڈنٹ کے اقتدار کو بالکل اچانک طور پر گھٹا دینے کی جرأت اس لیے نہیں کر سکتا تھا کہ ہمیں ہماری مانگزار می کی آمدنی ہاتھ سے نہ نکل جائے اور چون کہ راجہ بیوقوف ہے، اُس کے ملازمین بد معاش ہیں، ہندوستان کا ہر باشندہ (میرا اسخ عقیدہ ہے) راشی ہے اور کھلتے سے بنارس چھ سو میل کے فاصلے پر ہے اس لیے قدیم طریقے کو خواہ وہ جزوی طور پر ہی کیوں نہ ہو جاری رکھنے میں ضرور خطرہ پیش ہے تاوقتیکہ

انتظام کسی قابل شخص کے ہاتھ میں نہ دیا جائے۔
 مگر چونکہ بنارس کی خوش حالی سے میرا نہایت گہرا تعلق ہے اور میرا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کے دور دراز حصوں میں اس صوبے کی خوش انتظامی سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہمارے کیر کر کو بلند پایہ کرنے اور شہرت کو ترقی دینے میں معاون نہیں ہو سکتی اس لیے میں نے عزم بالجزم کر لیا کہ اس موقع پر بہت بڑا ایثار دکھایا جائے۔ پس میں نے محکمہ جات امور عامہ و مالگزار کی کے معتمد مسٹر جونائٹن کا تقرر مذکور بالا عہدے پر کر دیا اگرچہ یہ تقرر اس کی مرضی کے بہت خلاف تھا شاید آپ مسٹر ڈکن کے کیر کر سے واقف نہیں ہیں۔ بنگال میں ہر ہندوستانی اولیوین شخص اسے انتہائی وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مسٹر شور کے بعد اس ملک میں نوٹل کے بالمقابل اس نے خاص طور پر مالگزاری کے معاملات میں نہایت قابلیت سے میرا نام بٹایا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے پاس یہ باور کرنے کی معقول وجہ ہے کہ فی الوقت تقریباً تمام کلکٹر کسی رشتہ دار یا دوست کے نام سے تجارت میں لیے انتہا مصروف ہیں اور کلکٹر نیز عدالت کے جج کی حیثیت سے اپنے اثرات کو کام میں لا کر کچنی کے مفاد کے خطرناک دشمن اور اہل صنعت و حرفت کے حق میں قوی ترین ظالم بن گئے ہیں۔ مجھے تو یہ ہے کہ آپ زائد الاؤنس اور کمیشن جو ہم نے کلکٹروں کو دیا ہے مناسب تصور کریں گے کیونکہ بغیر اس کے یہ قطعاً ناممکن ہے کہ ایک دیانت دار آدمی کو متوسط درجے کی آسودہ حالی نصیب ہو سکے۔ اس فیاضانہ سلوک کے بعد مالگزاری کے ضوابط نیز تجارتی کاروبار کے خلاف احکام جنہیں آپ ملاحظہ کریں گے جاری کرنے میں مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ سب سے پہلے خطاکار کو جو مہیروی گرفت میں آ سکے سزا دے کر مثال قائم کروں گا۔

مارچ ۱۸۹۵ء میں صوبہ بنارس کے لیے دو اعلیٰ بندوبست کے قانون کا نفاذ سر جان شور نے منظور کیا۔ ۱۸۹۵ء کے قوانین و ضوابط سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی معقول وجہ موجود ہے کہ مذکور بالا قانون پر کافی غور اور بحث کی گئی اور زمینداروں کی قناعت، زراعت کی توسیع اور حکومت کے استحکام سے خوشگوار نتائج برآمد ہوئے۔

کی امید بندھ گئی۔ درحقیقت اس زمانے کے ضوابط سے جو بنارس کے لیے موزوں سمجھے گئے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بنارس کی حالت اس صورت حال سے کسی قدر مختلف تھی جو فی الواقع جنوبی بنگال میں اور ایک حد تک بہار میں پائی جاتی تھی اور یہ ضوابط نئی وضع کے الفاظ، عنوانات اور فقرات سے مرکب ہیں اور ان کے ذریعے حقوق، مفاد اور رسم و رواج کے متعلق بعینہ ایسا انتظام کیا گیا ہے جیسا کہ ہندوستان کے دو آدھے میں ہے۔ اگرچہ ایک اعلیٰ عہدہ دار جسے رزیڈنٹ کہا جاتا تھا سلاطین سے قبل ہی بنارس میں منتعین ہو چکا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسے ۱۷۷۳ء تک بندوبست اور تحصیل مالگزاری میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ مشہور حجت منجھ کا بھتیجا راجہ ہیمپ ناراین ناٹوں کی اعانت سے صوبے پر حکمرانی کرتا تھا۔ سو خزانہ کرسال یعنی ۱۷۸۷ء میں اس عہدے کا کام رزیڈنٹ کے تفویض کر دیا گیا اور وہ سرکاری محاصل ان کا پرہ دازوں کے توسط سے وصول کرتا تھا جو عامل کہلاتے تھے۔ ان عاملوں کا درجہ صوبہ جات نشیبی کے ان اجارہ داروں کے مماثل تھا جو راجہ یا موڑنی زمیندار نہیں ہوتے تھے۔ بندوبست ایک سال کے لیے ہوا یا پانچ سال کے لیے نہیں کلہر دازوں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ قواعد مرتب کیے گئے کہ جہاں مالگزاری پیداوار کے ایک حصے سے عموماً از قسم جس ادا کی جاتی ہے وہاں استادہ فصلوں کا تخمینہ لگایا جائے۔ تمام زائد ابواب اصل لگان کے ساتھ بیک وقت یکجا ادا کیے جائیں، قدیم و جدید وضع کے پچاگشی آلوں اور پرانے و نئے بیگوں میں تفریق کی جائے اور مختلف دیگر معاملات کی تحقیقات عمل میں لائی جائے جس کی غرض خرابیوں کی اصلاح، ظلم و تعدی کی روک تھام اور امن و خوشحالی کی ترقی ہو۔ ان قواعد کے ساتھ ہی ساتھ یہ انتظام کیا گیا کہ عامل مالگزاری کی وصولیابی میں زمینداروں سے مدد لیں اور یہاں اس عام لفظ کی تشریح پہلی مرتبہ ہماری مالگزاری کی اصطلاح میں اس طرح کرنی ضروری ہے کہ ہم اس کے معنی ان اعلیٰ شخصیتوں کے مفہوم سے بالکل مختلف قرار دیں جن کے تعلقے پچاس دیہاتوں سے لے کر انگلستان کے ایک ضلع کی حدود اراضی پر منطبق ہو سکتے ہیں۔

بنارس اور صوبہ جات شمال مغربی کے مقامی زمیندار سے ایسے تعلقے یا دیہات کا حصہ دار مراد ہے جہاں ساری زمین کا قبضہ اور انتظام مشترک ہوتا ہے۔ محاصل دوسری تمام آمدنی تعلقہ کے ساتھ ایک جگہ بیچا جاتی مال کی طرح جمع کیے جاتے ہیں اور کل ضروری اخراجات کی منہائی کے بعد بچت مالکان جائیداد میں ان کے آبائی حصوں کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے۔ حقیقت میں بنگال اور بہار کے زمیندار کسی قدر غیر آئینی طور پر بڑی شخصیتیں اور صوبہ جات بالائی کے زمیندار مقابلہ چھوٹی شخصیتیں کہی جاسکتی ہیں اور یہ کہنا بھی درست ہو گا کہ بنگال کا طاقت ور زمیندار اودھ کے تعلقہ دار کے مقابل ہے۔

یہ بالکل بیہی بات ہے کہ اس فرق کو اگرچہ پورے طور پر ظاہر نہیں کیا گیا تاہم اسے وہ حکام بخوبی سمجھتے اور تسلیم کرتے تھے جنہوں نے ۱۷۹۳ء کے آئین کے نئے پرنسپل کے لیے دو امی بندوبست مرتب کیا تھا جس میں حسب ضرورت کچھ اضافہ بھی کیا گیا تھا جو نئے صوبے کی خاص ضروریات کے لحاظ سے موزوں تھا۔ یہ امر بھی قابل یقین معلوم ہوتا ہے کہ بنگال خاص میں جو مفصل تحقیقات ممکن خیال کی جاتی تھی اس سے زیادہ تفصیل اور ضابطے کے ساتھ بنارس کے دو امی بندوبست کے سلسلے میں دریافت عمل میں آئی کچھال چہ تعلقہ داروں اور وہی زمینداروں سے تعلقہ شخص مالگزاری کی تفصیلات حاصل کی گئیں، زمینیں جو ادائے مالگزاری کے متعلق تھیں وظیفہ دار اور رعایتی بنتے ان سب کے رجسٹر تیار ہوئے۔ مقامی احمدہ داروں سے جنہیں قانون کو کہا جاتا تھا مشورے کیے گئے اور جلد بدست کے وثیقہ جو پٹہ اور قبولیت کے نام سے مشہور تھے اور جنہیں بے اعتنائی کے ساتھ انگریزی زبان میں لینڈ ریپٹ اور کونٹری بار قبولیت کہا جاتا ہے ترتیب پاکر سرکاری حکم سے جاری ہوئے بیچ سال بندوبست کو دوئی بندوبست میں باسانی تبدیل کرنے کے لیے انگریز ریڈنٹ اور اس کے مددگاروں نے زمانہ سرمایہ تمام صوبے کا باقاعدہ دورہ کیا۔ انہوں نے دیہات اور اس کے علاوہ جٹا و مضافات کی قوت اراضی دریافت کی، بعض وہی زمینداروں کو ان کے حقوق واپس ملنے کا انتظام کیا اور بعض دوسروں کو جن کا قبضہ اراضی ہمارے اس صوبے کے حاصل کرنے کی تاریخ یعنی جولائی ۱۷۵۷ء سے باقی نہ رہا تھا ہمیشہ کے لیے علیحدہ کر دیا، جمع بندی کی نظر ثانی کی، زمینوں کے ان حصوں سے جو اقادہ کو قابل

پائے گئے مالگزاری کی متوسط و تدریجی ترقی کا بندوبست کیا، باربرداری کے موقوف شدہ محصول کے اعدے کو روکنے اور جدید قبضہ اراضی معافی کے قیام کا سد باب کرنے کی تدابیر اختیار کیں، امن کی برقرارگی جرم کی سراغ رسانی و اطلاع دہی اور مال مسروق کی واپسی کے متعلق ضروری شرائط جاری کیں۔ مجموعی حیثیت سے انہوں نے مقامی تحقیقات احتیاط کے ساتھ کی جو ایک لحاظ سے حکومت کارنوالس کی سرسری کارروائیوں کی بنسبت یقیناً بہتر تھی مگر بریں ہم یہ تحقیقات اس باقاعدہ دیہی بندوبست کے معیار سے بہت گری ہوئی تھی جس میں حقوق و اختیار است اور فہم واریوں کا تفصیل وار اندراج موجود تھا اور جو بلحاظ دیگر شمالی ہند میں تھا امن اور مدر اس میں منرو کے متقدمہ داروں کی مسلسل نسلوں کے لیے مایہ ناز رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مذکورہ تحقیقات بلا مزاحمت اور بغیر وقت صرف کرنے اور زحمت اٹھانے کے ختم نہ ہوئی۔ اس بات کا پتہ چلا کہ عامل اپنے یا اپنے عزیزوں کے نام سے ایسے باقی داروں کی ملکیت اراضی کے متعلق جن کی بقایا کلی یا جزوی طور پر ادا ہو گئی تھی دست آویزات انتقال حاصل کرنے کے لیے اپنے عہدے اور معلومات سے اکثر فائدہ اٹھاتے تھے۔

مقامی تحقیقات سے اس امر کا بھی انکشاف ہوا کہ پیٹداروں یا ایکسپریس گارڈ کے حصہ داروں میں اپنے اپنے حصوں کے لیے اور مختلف خاندانوں میں جن کا دعویٰ مشترک دیہاتوں پر تھا باہم سخت نزاع برپا تھی۔ حسب قاعدہ ان دیہی زمینداروں کو جو دیہاتوں پر حقیقتہً قبضہ رکھتے تھے یا جنہیں حصول صوبہ (شعاع) کے وقت سے کسی زمانہ تا بعد میں قبضہ دار کہا جاتا تھا بندوبست میں دوبارہ شریک کر لیا گیا اور جہاں ریڈرنٹ اور اس کے مددگاروں کو واجب الادا مالگزاری مقرر کرنے کا اختیار حاصل تھا وہاں یہ اختیار صوبے کی دیوانی عدالتوں میں خفی مالکانہ کی واپسی کے متعلق کسی دعوے کے دائرہ ہونے میں مانع نہ تھا۔ یہ الفاظ دیگر انگریز عہدہ دار مال ہر تعلقے یا دیہات کی رقم مالگزاری کا تعین کرتا تھا اور دو یا دو سے

زائد مدعیان مقابل میں کسی ایک سے اپنے سامنے قول و قرار لیتا تھا۔ یہ صورت مرافعہ مالگزار کی رقم میں تبدیلی صرف رزیڈنٹ یا مجلس مال کر سکتی تھی۔

بند و بست بالا سے جو مدعی مطمئن نہ ہوتا وہ محکمہ عدالت دیوانی میں از سر نو چارہ جوئی کے لیے رجوع ہو سکتا تھا اور اگر اُسے وہاں کامیابی ہوتی تو وہ اپنے تعلقہ یا دیہات پر بحال کیا جاتا اور اُسے سابق کی مقررہ رقم مالگزاری ادا کرنی پڑتی۔ اس رقم میں عدالت دیوانی کمی و بیشی کرنے کی مجاز نہ تھی۔ جو ضابطہ صوبے کے خنوار ارضی سے موسوم ہے اس میں بعض پرگنوں کے متعلق چند مختلف شرائط شامل تھیں۔ ان شرائط میں بعض راجوں کی خدمات، عداوی اور برتاؤ کا نیز ان کے حقیقت دار کا شکاروں کے حقوق، مقرر لگان ادا کرنے والے دیہات اور دوسرے ایسے امور کا تذکرہ موجود ہے جن کا تفصیلی بیان یہاں غیر ضروری ہے۔ اس زمانے میں صاف طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ کل صوبے کے وٹلٹ کا بندوبست زمینداروں کے ساتھ ہوا تھا، ایک رُبع عاظوں کے ہاتھوں ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا اور باقی بارھواں حصہ بہ اصطلاح مالگزاری امانی تھا یعنی مالگزاری کا نہ تو ٹھیکہ دیا جاتا تھا اور نہ تعین ہوتا تھا بلکہ وہ سالانہ ایک عہدہ دار کے ذریعے مالگزاری ادا کرنے والے ہر شخص سے براہ راست وصول کی جاتی تھی۔ سال حال کے ضوابط کے الفاظ اور طرز عبارت سے یقیناً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حکام وقت قبضہ ارضی کے جدید و گوناگون حقوق کے وجود کو تسلیم کرنے لگے تھے۔ پٹہ دار یعنی دیہات کے صدر حصہ دار کو اجازت دی گئی کہ وہ ادائے مالگزاری کے لیے خود اپنے نام کے ساتھ عہد و پیمان کرے اور ان حصہ داروں کو جنہیں اس وقت ادنیٰ پٹہ دار کہا جاتا تھا خاندان کے صدر یا ذراعت پیشہ برادری کے سر بنج کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ لیکن ادنیٰ پٹہ داروں کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنے اپنے حصوں کی علیحدگی کے متعلق نیز ایک واضح و جداگانہ اقرار نامے میں اپنے نام درج کرانے کے لیے عدالت دیوانی میں مقدمات دائر کریں۔

۱۔ امانی دیگر مقامات میں خام یا خام تحصیل کے نام سے مشہور ہے۔ اس تحصیل کے کام کو کلٹر سال کے آخر پر ختم کر کے کسی ذمہ دار شخص کے ساتھ کوئی بندوبست عمل میں لاسکتا تھا۔

دیہاتی فوٹے اگر بنگال خاص میں کبھی تھے بھی تو ہماری حکومت کے آغاز ہی میں نابود ہو گئے تھے۔ لیکن بعض دیہات و قطعات ملک عجیب و غریب ذاتوں کے قبضے میں موجود تھے۔ ایک مقام پر باشندے کلیتہً مسلمان تھے۔ بعض دیہاتوں اور جداجدا محلوں پر ماہی گیروں، جلاہوں یا ہندوؤں کے خالص زرعی فرقوں یعنی پوروا کیہارت، کوپالی اور تیور کا کامل قبضہ تھا۔ لیکن مشترک طور پر محاصل کی وصولی یا بی، ذمہ داریوں کے قیام اور فاضل رقم کی تقسیم کے متعلق باہمی قول و قرار جیسی شے جنوبی بنگال میں مشکل نظر آتی تھی۔ بے شمار شاخیں ایسی ملتی ہیں کہ بنگال کی رعایا ظلم و جبر کا مقابلہ کرنے یا کسی خریدار کو بوقت نیلام یا بیع خانگی روکنے یا کسی پٹہ دینے والے کو قانونی حقوق کا زور دکھانے سے باز رکھنے کے لیے متحد ہو گئی۔ دیہات کے معمولی کارکن و کارگیر مثلاً چوکی دار، سنجار اور لوہا بھی موجود تھے جو زرعی پیشوں کے لیے ضروری ہیں لیکن بنگال خاص میں یہ زمانہ حصول دیوانی یعنی ۱۷۵۷ء میں پٹہ داری اور دیہی بھائی چارہ کا جس پر زمینداری کی برادری عمل پیرا تھی اور جس میں مالگزار دیہیج کے راج پر یعنی ایک خاص شرح سے مقرر ہوتی تھی کچھ نام و نشان نہ تھا۔

ملکیت زمین کے طریقوں کی ان تبدیلیوں کے باوجود متعدد دیگر مسائل میں ۱۷۹۳ء کی نظائر کی بہت پابندی کی گئی محصول راہ داری، متفرق محصول اور چنگی وصول کرنے کی ممانعت سگر دی گئی۔ اندرون ملک چنگی صرف بنارس، غازی پور، جون پور اور مرزا پور چار شہروں میں لی جانے لگی۔ انگریز کلکٹر کے فرائض تھی خصوصیت کے ساتھ توضیح کی گئی۔ اس کا کام مالگزاری جمع کرنا تھا خواہ وہ تعلقداروں، زمینداروں اور پٹہ داروں سے وصول طلب ہو یا جاگیروں سے جو عاملوں کو بھیجے پر دی گئی ہوں یا جاگیرات امانی سے جن کے متعلق کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ کلکٹر کو جاگیرات امانی میں باضابطہ بندوبست قائم کرنے کی کوشش بھی کرنی ہوتی تھی۔ بنگال خاص میں کلکٹر کے ذمے جو امور آئے انھیں کے مماثل اس کے دوسرے فرائض یہ تھے کہ وظائف کی رقوم ادا کرے، کورٹ آف داروز سے متعلق جاگیرات کا انتظام کرے، جو جاگیرات دیادو سے

زائد حصوں پر منقسم ہو سکیں ان کی مالگزاری کا مناسب طور پر تعین کرے، محصول آبکاری جمع کرے اور ناجائز اراضی معافی کی ضابطی عمل میں لائے۔ کلکٹر کے تحت ہندوستانی تحصیلدار رکھے گئے اور دقیق قواعد مرتب کیے گئے تاکہ ان کے ذریعے باقی داروں کے معاملے میں کارروائی کی جائے اور ایسے اشخاص کو انجام کار قید کی سزا دی جائے۔

جرمانہ عائد کرنے اور شدید صورتوں میں حق مالکانہ کو سوخت کرنے کا بھی انتظام کیا گیا۔ یہ امر قابل یادداشت ہے کہ مالگزاری کے کلکٹر کی کارروائیوں کے خلاف ضلع کی عدالت دیوانی میں، صوبے کی عدالت مرافعہ میں اور صدر عدالت میں مرافعہ دائر کرنے کا حق صریحاً باقی دار تعلقداروں اور زمینداروں تک محدود تھا۔ بنگال کی مانند بنارس میں اراضی کے متعلق تمام ذیلی حقوق و مفاد کی حفاظت کا مسئلہ ہمیشہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کے زیر غور رہا اور یہ یقینی بات ہے کہ اس کا یہ منصوبہ بنارس میں جلد تر یا یہ تکمیل کو پہنچا مگر صوبی حالت نشیبی میں حالات نامساعد کے باعث اسے دیریں پورا کیا گیا۔

ان حقوق کی حفاظت بنارس میں ایک واضح وجہا گانہ قانون کے ذریعے کی گئی اور ایک نصفت شعار و ہمہ گیر ضابطہ موسوم بہ ضابطہ مقتم ۱۸۵۷ء جس پر آئندہ ایک سرسری نظر ڈالی جائے گی نافذ کیا گیا تاکہ زمین کے متعلق تمام حاجتوں کے حقوق و مفاد کی تحقیقات اور بند و بست کیا جائے اور اس قانون کے تحت زمینداروں، پٹہ داروں اور دیگر لوگوں کی کافی حفاظت کا سامان کیا گیا۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس ضمن میں باشندگان صوبہ بنارس کی ثابت قدمی سے کلکٹریں اور بند و بست کے عہدہ داروں کے کام میں سہولت پیدا ہو گئی ہو۔ کاشتکار نسبت زیادہ آزاد تھے اور اپنے جائز مفاد کی حفاظت کے لیے زیادہ مستعدی سے متحد ہو جاتے تھے۔

سبب خواہ کچھ ہی ہو لیکن یہ امر مسلم ہے کہ یہاں لگان، استحصاں بالجھر اور عہد شکنی سے متعلق فسادات بہت کم واقع ہوئے اور ۱۸۵۷ء میں اس طرح دوامی بند و بست ہو جانے کے بعد بنارس میں ہمارے حکام کو زیادہ تر وہ کی کوئی

وجہ نہ تھی۔ کاشتکاران حقیقت دار اور بالعموم رعایا کے حقوق کا بندوبست
 مابعد اعظم گدہ میں جیسے تھا من جیسے کلکٹر وں کا کام تھا اور دوسری جگہ دیگر
 اشخاص نے رابرٹ برڈ کے قابل تعریف طریق جوڑ کے مطابق اسے انجام دیا۔
 یہ بندوبست جہاں تک صوبہ بنارس کا تعلق تھا ۱۸۳۲ء اور ۱۸۳۵ء کے درمیان
 بتدریج تکمیل کو پہنچا۔ شمالی ہند کے دو آبے اور صوبجات شمال مغربی کے دیگر
 اضلاع کے اس مابضابطہ بندوبست کا بیان جس کی بدولت مذکور بالا دونوں علاقوں
 کے نام تقریباً ڈھائی کروڑ ایشیائیوں کے ٹھہریلو لفظ بن گئے ہیں اس کتاب
 کا کوئی موضوع نہیں ہے۔

پہلے قانون سختی سے نافذ کیا گیا تھا کہ بنگال و بہار کے زمیندار یا بنڈی
 کے ساتھ مالگزاری ادا کیا کریں اور باقی دارقانونی کارروائیوں کی زمین آسکتے
 تھے، انہیں قید کی سزا دی جاسکتی تھی اور بالآخر ان کے حقوق سلب کر لیے
 جاسکتے تھے لیکن زمینداروں کا لگان جو تمام مالگزاری کی بنیاد ہے وصول ہونے
 کا کافی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ ۱۸۳۲ء میں ایک قانون وضع ہوا تھا جس میں اس
 قانونی دباؤ کی صراحت درج تھی جو زمیندار شکمی کاشتکاروں، زیر دست تعلقداروں
 اور رعایا پر ڈال سکتے تھے لیکن اس غرض کے لیے قانون مذکور کے ناکافی
 ہونے کا جلد علم ہو گیا۔ لہذا ۱۸۳۹ء میں ایک اور ضابطہ نشان وضع کیا گیا جو
 نصف صدی سے ان مدت تک بقایا کی وصولیانی سے متعلق قانون خاص
 بنارہا۔ اس قانون کی رو سے ہر وہ کاشتکار باقی دار تصور کیا جاتا تھا جو اپنا
 لگان اس روز تک جس کی صراحت اس کے تحریری اقرار نامے میں درج رہتی
 یا صراحت کی فی موجودگی میں مقامی رواج کے مطابق منظور شدہ تاریخ تک
 ادا نہیں کرتا تھا۔ زمیندار کو فصل پیداوار زمین نیز مویشی و دیگر شخصی جائداد
 قرق کرانے کا اقتدار دیا گیا تھا۔ ہل اور زراعت کے دوسرے آلے مویشی
 جو فی الواقع ہل چلانے کے لیے سدھائے گئے ہوں، تخم ریزی کا اناج یہ سب
 قرق اور نیلام سے مستثنی تھے اور یہی رعایت زمینوں مکاؤں اور دوسری
 غیر منقولہ جائدادوں کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی تھی۔ قرق شدہ جائداد کے نیلام

کے لیے پندرہ روز قبل اطلاع نامے کا جاری ہونا ضروری تھا۔ زمینداروں کو محکوم تعلقداروں، پٹنہ داروں، کاشتکاروں یا ان کے ضامنوں کی گرفتاری عمل میں لانے کا مزید اختیار دیا گیا تھا اور وہ اس کے بھی مجاز تھے کہ کاشتکاروں کو طلب نامے بھیجیں اور عند الضرورت اپنی خاص کھری یا مقامی دفتر میں انہیں اس غرض سے حاضر ہونے کے لیے مجبور کریں کہ وہ اپنی بقایا کا تصفیہ کریں اور ادائے لگان میں تاخیر کی وجہ بتائیں یا اسی قسم کے کسی دوسرے معاملے کے متعلق جواب دہی کریں۔ اس انتظام پر بسا اوقات شدت کے ساتھ لعن طعن کی گئی اور یہ انتظام آخر الامر ۱۸۵۷ء میں ایک جامع و مانع آئین کے ذریعے موقوف کر دیا گیا جس سے زمینداروں میں بے اطمینانی پھیلی مگر کاشتکاروں کی قوری دل جمعی ہو گئی۔ ان نالاشوں کے فیصلوں کو جو لگان کی وصولیابی کے لیے دائر کی جاتی تھیں نالاشیات سرسری کہا جاتا تھا۔

دستور العمل میں سادگی و عجلت کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ سال کے بارہ مہینوں میں ایک سے زیادہ کی بقایا معاف نہیں ہو سکتی تھی اور اس نوعیت کے مقدمات کی سماعت کا اختیار دیوانی عدالتوں سے کلکٹروں کو اور کلکٹروں سے عدالتوں کو منتقل ہوتا تھا۔ یہ منتقل کیا گیا جس کے باعث بہت پیچیدگی اور پریشانی پیدا ہوتی رہی۔ ایک سال سے زائد کا واجب الادا لگان محض باقاعدہ نالاش دیوانی کے ذریعے وصول کیا جاسکتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے اُس سارے قانون کی عبارت سے جو نہایت مکمل اور جامع خیال کیا گیا تھا ظاہر ہوتا ہے کہ انتظام جاگیرات کی بہت سی خرابیوں کا انکشاف پہلے ہی ہو چکا تھا۔

لیکن کسی طور پر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ زمیندار اور ان کے گماشتے ہمیشہ سخت گیر و بے رحم تھے بلکہ کاشتکار ہر وقت مظلوم و معصوم نظر آتے تھے۔ بیسیوں مثالیں ایسی دی جا سکتی ہیں جن میں دونوں فریق خطاوار تھے۔ اگر کوئی زمیندار کمزور ہوتا اور کاروبار سے تغافل کرتا اور اس کے گماشتے بے پروا ہوتے تو کاشتکار باآسانی اس زمیندار سے مقابلہ کرتے تھے۔ جب کسی نئے زمیندار کو خانگی خریداری یا سرکاری نیلام کے ذریعے کوئی جائداد ملتی تو اسے

لنگان کی وصول یابی کے لیے چھ مہینے یا ایک سال درکار ہوتا تھا۔ اس کی حاصل کردہ جائیداد کی حدود کافی طور پر واضح نہ ہوتی تھیں۔ اس کا رقبہ غیر معین ہوتا تھا۔ نفستے نہیں ہوتے تھے اور فرد لنگان جس میں پیٹہ داروں کے نام اور ان کے علاقے درج کیے جاتے تھے موجود ہی نہ ہوتی یا اگر یابی جاتی تو بہت سی ضروری تفصیلات سے اکثر معرہ ہوتی تھی۔ اکثر اوقات قطعی باؤسی کی حالت میں یا ایک بڑی جاگیر کا انتظام نہ ہو سکنے کے باعث زمیندار اس کے کسی حصے پر ایک شکنگی زمینداری قائم کرتا یا اپنی کل یا نصف زمینداری کا پیٹہ کسی خواہشمند و مستعد انگریز کو دے دیتا۔

بعض صورتوں میں نئے مالک یا پیٹہ دار کو یہ ضرورت پیش آتی تھی کہ وہ باقی داروں کے خلاف لگانا سرسری ناشریں دائر کرے، پولیس کی نگرانی میں اراضی کی پیمائش کرائے اور سب سے زیادہ مزاحم و مال دار کاشتکاروں میں سے پیشیتے طور پر تین یا چار کا انتخاب کر کے ان پر باضابطہ دیوانی ناشر کرے تاکہ پر گنے کے رواج کے مطابق مختلف قسم کی فصلوں اور زمینوں پر لگان کا تعین ہو سکے۔ آخر میں عموماً ثابت قدم زمیندار یا پیٹہ دار ہی کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوتی تھی۔ ڈگری حاصل کی جاتی تھی اور بہت کچھ تاخیر اور مرچے کے بعد سرینچ یا مستقل کاشت کار حقیقت دار کے خلاف وہ جاری کرائی جاتی تھی۔ جن کاشتکاروں میں استقلال نسبتاً کم ہوتا وہ مطیع ہو جاتے، مقامی دفتر پر حاضری دیتے اور خانگی تصفیہ کر لیتے تھے۔ پس جملہ فراین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح زمیندار کے وقت اور روپیے کے نقصان کی تلافی ہو جاتی تھی۔ زمیندار کو وہ شے مل جاتی تھی جسے اینگلو انڈین اصطلاح میں 'دُخل' کہتے تھے یعنی ذرائع پر قابو، مالگزاری کے عمل درآمد کا علم، انتظام میں چابک دستی اور ڈگریوں کی تعمیل کرانے کا مصمم قصد رکھنے کے باعث دیہات میں اُسے مستقل حیثیت حاصل ہو جاتی تھی۔ پھر تو لنگان پابندی سے وصول کیا جاتا تھا۔ کاشتکاروں کو کھری پر حاضری کے لیے بہ زور قوت مجبور کیا جاتا تھا۔ اراضی کی بار بار پیمائش ہوتی تھی۔ سال تمام کے واجب الادا لنگان کی وصول یابی کے لیے سرسری ناشریوں کے

بعد باضابطہ بڑی بڑی ناشیں دائر کی جاتی تھیں تاکہ قدیم لگان کو بڑھا کر گردونواح کے معیار پر پہنچا دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدالتوں کی تنظیم اور بیرونی دباؤ کے ذریعے عام طور پر ہر سمت اضافہ لگان عمل میں آتا تھا۔ مشرقی بنگال کے ایک ضلع میں کاشتکاروں کو گماشتوں کی دی ہوئی چٹھیوں اور رسیدوں پر اس قدر بے اعتمادی تھی کہ وہ اکثر سرسری ناش کے دائرہ ہونے تک انتظار کیا کرتے اور اس کے بعد فوراً عدالت میں رقم ادا کر دیتے تھے۔

بعض مقتولوں پر یہ امر بالکل آسان تھا کہ خود سر زمیندار اور مقابل فریق یا مزارع کاشتکار میں کون قابل الزام قرار دیا جائے۔ کامل یقین کے ساتھ جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ کبھی کسی رعیت نے اصولاً ادائے لگان پر کوئی اعتراض نہیں کیا، تمام کاشتکار جائز و ناجائز غراض کے لیے یکساں طور پر متحد تھے اور یہ کہ آخر میں حکومت کا یہ فرض ہو گیا کہ ان کو برائیوں سے بچانے کے لیے مداخلت کرے اور انجام کار اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۵۹ء کے مشہور قانون دہم کا نفاذ ہوا۔ اس اثنا میں لگان کی جلد وصول یا بی کے متعلق آئینی انتظامات میں ترمیم کی گئی۔ ۱۸۵۹ء کے ضابطہ پنجم کی تہید سے حوالہ دہنوں کے عہد حکومت میں نافذ ہوا زمینداروں کا کسی قدر مورد الزام ہونا مترشح ہے۔ دانستہ کہا جاتا تھا کہ یہ باور کرنے کی وجہ تھیں کہ زمینداروں کی جماعت نے اپنے اختیارات کا بجا استعمال کیا تھا اور اپنے کاشتکاروں کی جائداد کے نیلام اور قرضی کے بارے میں وہ ظالمانہ افعال کی مرتکب ہوئی تھی۔ یہ قربان مصلحت تھا کہ قانون قرضی کی ترمیم عمل میں آئے اور پٹوں کی منظوری کے قواعد اور ان ضوابط کی نظر ثانی کی جائے جن کی بنا پر نیلامی خریدار لگان وصول کرتے تھے نیز باقی دار زمینداروں اور کسانوں کو باہمی ضد سود کے بھاری تاوان سے نجات دلائی جائے۔ لہذا یہ قاعدہ بنایا گیا کہ زمینداروں کو لازم ہے کہ اپنے کاشتکاروں

۱۔ ایک استثنائاً مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے فرقہ رافضی کی ہو سکتی ہے جس نے بعض اوقات یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ ہندو یا مشرک لگان کے بالکل مستحق نہیں ہیں۔

کے پاس ایک تحریری مطالبہ روانہ کریں جس میں بقایا کی ٹھیک رقم کا تعین کیا گیا ہو اور یہ اطلاع نامہ کاشتکار کے ہاتھ میں دیا جائے یا اس کی معمولی جائے سکونت پر چسپاں کیا جائے اور کاشتکار کو اگر وہ مطالبے کے جواب پر معترض ہو تا تسلی یا تلافی کے طور پر یہ موقع دیا گیا کہ پانچ روز کے اندر کوئی درخواست پیش کر کے قرقی ملتوی کرادے اور اقرار کرے کہ آئندہ دو ہفتوں میں نگرانی و قرقی کی جواب دہی کے لیے دیوانی نالش دائر کرے گا۔ لیکن یہ قاعدہ کسی قدر زحمت سے محلو اور عملاً غیر موثر تھا۔ باقی دار کاشت کار کو کمشنر، جج، کلکٹر یا قاضی پر گنہ کے سامنے ضمانت کے ساتھ ایک تمسک دینا پڑتا تھا کہ جلد وہ اپنی نالش دائر کرے گا۔ اس زمانے میں دیوانی نالش بہت تکلیف دہ ہوتی تھی، اس میں وقت بہت صرف ہوتا تھا اور مصارف بھی بہت ہوتے تھے۔ اگر معین وقت کے اندر نالش دائر نہ کی جاتی تو اس باقی دار کی ذات جائیداد پر جس نے اپنی نالش کے متعلق ضمانت دی تھی ضبطی کی تجدید ہوتی اور بدقسمت ضمانت کی جائیداد بھی بقایا کے لگان کے عوض قرق ہو جاتی جبکہ کوئی نالش پیش ہی نہ ہوتی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس قانون میں پہلی مرتبہ یہ شک پیدا ہوا کہ کوئی باضابطہ معیار لگان جو شرح پر گنہ کہلاتا ہو موجود بھی ہے یا نہیں۔ ایسی شرح کا جب پتہ نہ چلا تو تشخیص لگان اور تحصیل وصول اس شرح کے موافق کی جانے لگی جو مضافات میں اس قسم کی زمینوں کے لیے واجب الادا تھی۔ ایک اور اہم دفعہ یہ تھی کہ اضافہ شدہ شرح لگان لگائی جاسکتی تھی اور نہ عدالت کے ذریعے دلائی جاسکتی تھی تا وقتیکہ کاشتکار کو جیشٹھ کے مہینے میں اضافے کا باضابطہ اطلاع نامہ نہ بھیجا جاتا۔ یہ زمانہ مئی کے آخر نصف اور جون کے اوائل سے مطابقت رکھتا ہے اور ہمیشہ کاشت کے سال اول و دوم کی درمیانی کڑی تصور کیا جاتا ہے۔ زرعی کاروبار جو مئی میں ملتوی یا مدھم ہو جاتے ہیں موسمی بارش کے آغاز کے بعد پھر شروع کیے جاتے ہیں اور یہی حال جنگال میں جون کے دوسرے ہفتے میں اور بہار میں اس مہینے کے اختتام پر یا جولائی کی ابتدا کے وقت نظر آتا ہے۔

مذکور بالا قانون کے وضع کرنے والوں کی نیک نیتی کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ زمیندار اور کاشت کار کی نسبت ہر ضابطے میں سرسری فیصلوں کے صریح ظلم کے خلاف چارہ جوئی کے لیے ہمیشہ یہ انتظام رکھا گیا کہ غیر مطمئن فرقہ عدالت دیوانی میں رجوع ہو سکتے تھے لیکن جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے ایسی عدالتوں کی رفتار کار اس زمانے میں دھیمی اور گراں ہوتی تھی۔ عدالتوں میں کاشت کاروں کی یہ نسبت زمیندار زیادہ چارہ جوئی کرتے تھے اور اگرچہ کاشت کاروں کو کلکٹریا سیول جج کے سامنے سرسری نالش کا سہل طریقہ سمجھایا جاتا تھا اور وہ مشاورت و محافظت کے لیے مجسٹریٹ سے درخواست کرنے میں سمجھے نہ جاتے تھے تاہم جائز طور پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا ان کی فریادوں کے متعلق کارنوالس کے عہد حکومت کے تقریباً ساٹھ سال بعد تک بھی کوئی حقیقی دادرسی کی گئی۔

۱۸۵۹ء میں مجلس وضع قوانین نے جسے لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۵۷ء میں قائم کیا تھا ایک قانون نافذ کیا جو ”منشور اعظم برائے رعیت“ کے نام سے موسوم ہوا۔

ساتواں باب

مدراس - قوانین بیع ضبطیاں

صوبہ بنارس میں بندوبست دوامی کے نفاذ کے متعلق اس زمانے کی سرکاری و قانونی مراسلت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک طرح پر بطور امر طبعی کے وقوع میں آگیا۔ لیکن مجلس نظام جو بنگال کے سابق مالی و عدالتی ضوابط کی معقولیت اور مناسبت سے آگاہ تھی اس خیال کی طرف مائل ہو گئی کہ بندوبست مذکور احاطہ مدراس میں بھی نافذ کیا جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں بہت طویل مراسلت پیش آئی۔ حکومت مدراس و بمبئی دونوں کو کارنوالس نے جملہ کاغذات متعلق بندوبست بنگال و تاسیس عدالت ہائے جدید ارسال کر دیے تھے۔ مدراس کے محکمہ مالگیزی نے بعض ایسے علاقوں کے وسائل کی مکمل تحقیقات کا اہتمام کیا جو اس وقت یا تقریباً ۱۷۹۸ء میں اضلاع بارہ محل، دندی گل، کویم تورو کٹار اپر مشمل تھے۔ بہت زیادہ احتیاط پیش نظر رکھنے کی تاکید کی گئی تھی اور مختلف کلکٹروں سے کاشتکارانِ شکی اور دیگر مالکانِ اراضی کے حقوق کی نسبت معلومات ہمہ پہنچائی

مسلسلہ - یہ ضلع بعد میں بمبئی سے ملحق ہو گیا۔

گئی تھی۔ بالآخر ایک مبسوط روڈ اوڈون (انگلستان) روانہ کی گئی اور تقریباً ستر سالہ میں ایک خاص تختی مقرر ہوا تاکہ احاطہ مدراس کے اُن علاقوں کی مالگزاری کا دوامی طور پر تصفیہ ہو جائے جن کے لیے معلومات کا کافی ذخیرہ جمع ہو چکا تھا۔ دو سال کے اندر دوامی بندوبست، شمالی سرکاریں نافذ کر دیا گیا اور ستر سالہ تک ذیل کے علاقے بھی اسی اصول پر منضبط ہو گئے۔

نواب ارکاٹ کی عطا کردہ جاگیر جو صدر احاطہ کے گرد اگر واقع ہے اور اب جنگل پٹ کہلاتی ہے۔

مقبوضات مابعد جن میں اضلاع سالم، متند و قطعات اراضی موسوم بیڑو لم، دجن، پٹاقت و روسرکش سرداروں کا قبضہ تھا جو اولیگر کے نام سے مشہور تھے، تمام نا کرشن گری اور بعض دیگر غیر اہم علاقے شامل تھے۔

لیکن عین اسی زمانے میں دوسرے خیالات پھیلنے لگے۔ بعض مقامات پر مقرر محاصل زیادہ آسانی سے وصول ہو گئے تھے مگر جاگیر مذکور میں جو ایک کلگری بنادی گئی تھی مالگزاری پابندی کے ساتھ ادا نہ ہوئی تھی۔ بعض جاہل ادیں بقایا کی بنا پر فروخت کر دی گئی تھیں اور بعض بحالت مجبوری حکومت نے اپنے قبضے میں لے لی تھیں۔ مالگزاری ادا نہ ہونے کی وجہ ایک حد تک فعل کی تباہی تھی مگر اصلیت یہ تھی کہ کاشتکاروں کی شرح لگان کا اندازہ لگانے اور زمینداروں کی مالگزاری کا عین کرنے میں سخت غلطیاں کی گئی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بندوبست دوامی کے حایلوں کا ایک زبردست مخالف تھا جس منرو پیدا ہو گیا۔ اس نے واضح طور پر یہ بتایا کہ مالکان اراضی کے ساتھ فرداً فرداً بندوبست کا عمل میں آنا کو بظاہر پیچیدہ اور وقت طلب امر ہے تاہم ہندوستانی حکومتیں اُس سے خوب واقف ہو چکی ہیں کیل پائسریج اپنے اپنے دیہاتوں کے بندوبست میں خاطر خواہ اعانت کر سکتے ہیں، موروئی ملازمان مال کا ایک مکمل غلہ پہلے ہی سے موجود ہے، رعیت کا یہ دستور رہا ہے کہ ایک مقام پر جمع ہوتی ہے اور زرعی لوازم، کاشت کاری اور ادائے لگان کے متعلق بحث و مشاورہ

کرتی ہے اور اگر ایک مستعد کلکٹر اپنے ضلع کا دورہ ابتدائی فصل کے کٹنے سے لے کر اخیر تخم ریزی کے زمانے تک کرتا رہے تو وہ بخوبی ان گونا گوں کارروائیوں کو اس نتیجہ خیز اسلوب سے انجام دے سکتا ہے کہ حکومت کو مالی منافع اور رعیت کو معاشری فوائد حاصل ہوں۔ چنانچہ اس بارے میں حسب معمول بہت کچھ ملامت ہوئی اور اعداد و شمار، رُودادیں، یادداشتیں اور قراردادیں فراہم کی گئیں۔ آخر کار بندوبست دوامی مستحکم ہو گیا۔ احاطہ مدراس میں صرف ایک ہی مقام پر بنگال کے قانون کا نفاذ ہوا تھا اور ملیبار، کنارا، کویم تہور، اضلاع مفوضہ، نیلور، ارکاٹ نیز زرخیز قطعات ملک جو تنجور، ترجیناپلی اور مینیولی پر مشتمل ہیں یہ تقریباً سب کے سب نظر انداز ہو گئے تھے۔

یہاں یہ ایک بے محل بات ہو گی کہ ان مختلف قوانین مالگزاری کے محاسن و معائب پر تفصیلی بحث کی جائے جو مختلف صوبہ جات ہند میں رائج ہیں لیکن سرکاری ابواب کی وصولیابی کے گونا گوں طریقے نافذ کرنا اور مالگزاری کے ذمہ داران خاص کو مختلف طبقوں سے منتخب کرنا ہماری حکومت کا ایک لازمی جزو ہے اور اس سے تجربات کا ایک بڑا ذخیرہ مہیا ہونے میں مدد ملتی ہے۔ بنگال میں جو غلطی کی گئی وہ یہ تھی کہ یہ وجوہ چند در چند ایک ایسے جدید اور مکمل قانون کے ضروری حصے کو جس سے زمینداروں کی ایک مستقل جماعت قائم ہو گئی تھی نصف صدی سے زائد مدت تک بروئے عمل نہیں لایا گیا۔ مدراس کے بیشتر حصے میں بندوبست، رعیت واری ہے اور ان صورتوں میں جہاں زمیندار اپنی جائیدادوں سے علیحدہ ہوئے اور حکومت قابض ہوئی طریق رعیت داری نافذ کیا گیا لیکن کبھی اس کے بعکس کارروائی نہیں ہوئی۔ کوئی ضلع یا اس کا کوئی حصہ جو طریق رعیت واری میں داخل ہوا پھر کسی وقت زمینداروں کو واپس نہیں دیا گیا۔

کارنوالس کے طریق زمینداری کی بنا پر جو مختلف واہم شکی زمینداریاں قائم ہوئیں وہ کسی قدر توجہ کی طالب ہیں۔ اگرچہ تجارت، سوداگری، زراعت اور آبادی کے بارے میں قابل وثوق اعداد صرف گزشتہ چند ہی سال کے جمع کیے گئے ہیں تاہم بعض بدیہی امور جنوبی بنگال کے متعلق عموماً اور مشرقی و وسطی بنگال

کے متعلق خصوصاً ایسے ہیں جو مشہور و معروف ہونے کے باعث کسی قسم کی بحث کے محتاج نہیں۔ یہاں کی دریائی زمین بجد زرخیز ہے، لگان کم لیا جاتا ہے اور چند سال تک جیسا کہ بتایا جا چکا ہے زمینداروں کو اپنے موضع یا املاک کے شخص دوامی پٹوں پر دینے سے نروکا گیا تھا لیکن یہ جلد واضح ہو گیا کہ حکومت کاشتکاروں کے فائدے اور اپنے خزانے کی حفاظت کے لیے خواہ کیسے ہی قوانین وضع کرے زمینداران صریح حقوق کو دیگر اشخاص پر منتقل کرنے سے باز نہیں رکھا جاسکتا جو اسے ایک اعلیٰ مالک اراضی کی حیثیت سے حاصل ہو گئے ہیں۔ اس نے بہت جلد اس ناقابل تردید اختیار کو ذریعہ منفعت بنالیا تھا۔ بعض زمینداران وسیع تھیں اور ان کے انتظام میں وقت پیش آتی تھی۔ رعیت ضدی تھی جس پر غلبہ پانا دشوار تھا۔ ملازمین مرضی اور ناقابل اعتماد تھے اور زمیندار بڑے بڑے عدالتی مقدمات میں پھنسا رہا تھا یا اسے کسی عیادت خانے کو نذر کرنے، بیٹیا بیٹی کا بیاہ رچانے، سرادھالینی نذر و نیاز کے موقع پر برہمنوں کی ایک جماعت کو دعوت دینے جدید مکان بنانے، من مانی خواہش پوری کرنے، خیراتی امور انجام دینے اور مذہبی رسوم ادا کرنے کے لیے کثیر رقم کی ضرورت درپیش رہتی تھی۔

ہمارا جہ بردوان جس کی اولاد اب بھی بنگال کے معمول ترین زمینداروں میں شمار کی جاتی ہے شکلی زمیندار کی قائم کرتا رہتا تھا جو پٹنی کہلاتی تھی۔ اس لفظ کے لغوی معنی نو آبادی یا بستی کے ہیں۔ مالگزاری کی اصطلاح میں اس سے ایسا تعلق مراد ہونے لگا جو زمیندار اپنی پوری جائداد یا اس کے کسی حصے پر قائم کرے اور اس پر پٹہ دار اور اس کے ورثا ایک مستقل و معین شرح لگان کے ساتھ دوامی طور پر قابض ہو جائیں۔ اس طرح پٹنی دار علاؤ زمیندار کا قائم مقام بن جاتا اور زمیندار اگرچہ اس کے بعد بھی اصولاً حکومت کی طرف سے اپنے فرائض ادا کرنے پولیس کو مدد دینے اور جوایم کی اطلاع کرنے کا ذمہ دار سمجھا جاتا لیکن عملی طور پر وہ اپنی جائداد کے حصہ مذکور پر لگان عائد کرنے والا بن جاتا اور پٹنی دار خود اپنا حق قائم کرنے کے لیے ایک بڑی رقم بطور نذرانے کے دے کر ایک مستقل جائداد حاصل کر لیتا جس کے ساتھ اسے حقوق بیع و انتقال اور اپنے مالک کے دیگر تمام امتیازات مل جاتے۔

بھی مل جاتے تھے۔ اسلئے کے قانون کی رو سے جو بقایا لے لگان پٹنی دار کے ذمے ہوتی وہ زمیندار سے نہ صرف معمولی عدالتی کارروائی کے ذریعے وصول کی جاسکتی تھی بلکہ باضابطہ اطلاع اور بعض قانونی شرائط کے تحت کلکٹر بیع ملکیت کی سرسری کارروائی بھی کر سکتا تھا۔ زمیندار کی جائیداد کا بصورت بقایا سال کے چار مہینوں اوقات پر نیلام عام کیا جاسکتا تھا۔ پٹنی دار کی جائیداد صرف دو مرتبہ مئی اور اکتوبر کے مہینوں میں فروخت ہو سکتی تھی۔

مذکور بالا قانون کے ساتھ ہی ساتھ ایسے قواعد بھی نافذ کیے گئے جن کی بنا پر بصورت نیلام عام تمام شنگی زمیندار یا مسترد ہو جائیں، تاہم باقی داروں کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ بقایا کی بابت اعلیٰ زمیندار کی مطلوبہ رقم ادا کر کے اپنی جائیدادوں کو محفوظ کر لیں۔ عام طور پر اس جدید قانون سے وہ تمام مسلسل کارروائیاں جائز قرار دے دی گئیں جن کی ابتدا اردو میں ہوئی تھی اور جنہیں دیگر اضلاع کے زمینداروں نے اختیار کر لیا تھا اور جو رفتہ رفتہ سارے ملک میں پھیل گئی تھیں۔

اس حد تک تو گمان غالب یہی ہے کہ پٹنیوں کے قیام یا بڑی بڑی جائیدادوں کی ذیلی تقسیم سے جو متحکم و قابل انتظام علحدہ زمینداریاں قائم ہوئیں وہ اپنے کاروبار خوب چلاتی ہوں گی اور سرکاری مالگزاری محفوظ اور کاشت کار حقیقت دار کی حالت اصلاح پذیر رہتی ہوگی۔ لیکن بد قسمتی سے جو طریقہ عمل زمیندار نے شروع کیا اس سے اس کے سانچہ پٹنی دار لئے ترقی اور وسعت دی۔ وہ خود ہی جب اپنے کاشتکاروں کے ساتھ جھگڑوں میں پریشان ہوتا یا اسے اپنی آسودگی کے لیے ایک بھاری رقم ادا کرنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ اپنے حقوق و اختیارات ایک دوسرے پٹنی دار کے تفویض کر دیتا اور یہ ایک تیسرے کے حوالے کرتا تھا۔ اس طرح کے ساختہ پٹنی دار اصطلاح میں دُپٹنی دار اور سہ پٹنی دار کہلائے۔

ساتھ برس گزر جانے کے بعد اب یہ بحث و تمحیص لا حاصل ہے کہ حقوق و فرائض کی مسلسل متغلی کو قانونی حیثیت دے دینے کی مصلحت کیسی تھی یا یہ تحقیقات فضول ہے کہ آیا صرف درجہ اول کی پٹنی داری کو تسلیم کرنا اور مزید تقسیم ممنوع قرار دینا زیادہ مناسب اور منجی بالانصاف ہوتا لیکن ناقابل تردید امر یہ ہے کہ پہلے دوسرے اور تیسرے درجے کے پٹنی داروں میں سے ہر ایک دیہات کی معمولی آمدنی کے علاوہ کچھ اور نفع کی

توقع رکھتا تھا، اس لیے اس زائد نفع کی صورت نکالنے اور اسے ٹینی دار کے حوالے کرنے کا بار دراصل کاشت کاروں پر پڑتا تھا۔ اس بات کا امکان نہ تھا کہ کسی درجے کا ٹینی دار محض محض لگان کی حیثیت قبول کرتا اور قلیل کیشن ہی کو اپنا صلہ سمجھ کر قانع ہو جاتا۔ محول بالاقانون کی رو سے ہر ٹینی دار اپنے تعلقے کو تو ہر اس صورت میں جسے وہ اپنے اغراض کے لیے مفید ترین سمجھے، ٹھیکے پر اٹھا دینے کا مجاز تھا اور اس زمانے کے قانون ما کاشت کار کی حفاظت کے مقابلے میں سرکاری لگان کے متحکم کرنے اور زمیندار کے حقوق کو ملحوظ رکھنے کی جانب زیادہ متوجہ تھے۔

ٹینی داری ہی ایسی شکی زمینداری تھی جس کے لیے ایک مدت دراز تک نیا قانون وضع کرنے کی ضرورت خصوصیت کے ساتھ محسوس ہوتی رہی مگر بعد میں اسی طرح کی ٹینی داریوں کی متعدد اقسام مختلف ناموں سے مختلف شرائط کے ساتھ تمام صوبے میں قائم ہو گئیں۔ ضلع باقر گنج میں اصل زمیندار اور کاشت کار کے مابین اس قسم کی چار چار اور پانچ پانچ ٹینی داریاں حائل پائی گئیں۔ بار بار ان کے متعلق عدالتی چھان بین کی گئی اور عدالت کا فیصلہ انھیں کے موافق رہا۔ اگرچہ ان ٹینی داریوں کا باقاعدہ تحفظ عمل میں نہیں لایا گیا تاہم ان مختلف قوانین میں ان کا لحاظ رکھا گیا جو مالگزاری ادا نہ ہونے کی صورت میں جائداد کے نیلام کرنے کے متعلق وضع کیے گئے اور اس قسم کے ٹینی داریوں کو یہ ہولتیں عطا کی گئیں کہ وہ اپنے اپنے پٹوں کی خاص طور پر رجسٹری کرائس تاکہ اصل جائداد کے نیلام پر وہ مسترد ہو جانے سے محفوظ رہ سکیں۔ لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ تقریباً ایک صدی سے زمیندار اور کاشت کار کے درمیان تین چار ٹینی دار معقول منافع حاصل کر رہے ہیں، جنگل کم ہو گئے ہیں، زراعت ترقی پذیر ہے، ملک کی اندرونی تجارت نہایت سرگرمی سے چل رہی ہے، دیسی کشتیوں کے بیڑے کے بیڑے، ریل گاڑیوں کی قطاریں اور ہزاروں میل تک ریل کی بیڑیاں، ملک پیدا کے مختلف النوع ذخائر کو اندرون ملک کی تجارتی منڈیوں اور کلکتے کے بندرگاہ تک پہنچانے کے لیے ناگزیر ہو گئی ہیں۔ یہ سب چیزیں ایک حد تک قدرتی اسباب کے عمل سے عظیم الشان زرخیز زمین پر بطور پذیر ہوئی ہیں جسے باجائز ہزاروں ندیوں کی جمع کردہ مٹی تقویت دیتی رہتی ہے مگر دراصل یہ اس رعیت کے صبر، جفاکشی اور مسلسل کاشت پر مبنی ہیں جو اپنی مقبوضہ اراضی کی وسعت کو بہترین طریقے پر استعمال کرنے سے آگاہ ہے اور اشوک یا منو کے

زمانے کے قدیم آلات سے حیرت انگیز نتائج کو غیر سائنٹفک سہی پیدا کرتی رہی ہے۔ ایک شکمی زمینداری کی حدود کو چند جامع الفاظ میں بیان کرنا ہر وقت آسانی سے ممکن نہیں ہوا ہے اور یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ کس وقت ایک مقعول حیثیت کے کاشت کار حقیقت دار کو جو اپنے تحت کئی کاشتکار رکھتا ہے پٹنی دار کی طرح شمار کیا جائے۔ حال ہی میں کوشش کی گئی ہے کہ ان دونوں قسموں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا جائے اور ہر ایک کو ایک بین قانونی حیثیت دی جائے۔ علی طور پر ایک عہدہ دار ضلع کو جو کار دواں ہو کسی ایک خاص فرد کی حیثیت کا تصفیہ کرنے میں کوئی وقت پیش نہیں آتی۔

بنگال کے قوانین بیچ جن کی رو سے وقت معین پر مالگاری ادا نہ ہونے کی صورت میں نقصان کی تلافی اور جائیداد کی منسوخی ضروری ہو جاتی ہے اکثر سخت اور شدید گردا لے گئے ہیں۔ اگرچہ ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۲ء کے درمیان اکثر وبیشتر ان میں ترمیم کی گئی لیکن قوانین مذکور کا اثر یہ ہوا ہے کہ پابندی وقت کے ساتھ تادیب ہونے لگا جو کسی اور طرح ممکن نہ تھا اور گزشتہ چند سال سے زمینداروں کو بہ حیثیت مجموعی کوئی نقصان پہنچائے بغیر حکومت کے مطالبات بھی محفوظ ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اس صدی کے اوائل میں جب کہ جائیدادوں کا ان مختلف اضلاع میں نہیں جہاں کہ وہ واقع تھیں بلکہ صرف کلکتہ میں کافی اطلاع دی کے بغیر ہر سہ ماہی میں ایک بار سے زاید نیلام ہونے لگا تو متعدد جائیدادیں بہ عجلت فروخت کر دی گئیں اور ان کو انکل بازوں یا ایسے لوگوں نے خرید لیا جو مالکوں سے اصل واقعات پوشیدہ رکھا کرتے تھے۔ لیکن گزشتہ پچاس سال سے ایسی شرائط نافذ کی جا رہی ہیں جن سے قانون میں بہت کچھ ہولت اور تخفیف ہو گئی ہے جبکہ جن اشخاص کا جائیداد پر استحقاق ہوتا ہے انہیں اجازت ہے کہ رقم واجب الادا داخل کر کے اُسے نیلام سے بچالیں اور اسی طرح ایک شریک دوسرے کی بالارادہ غفلت یا بے پروائی کے خمیازے سے مامون رکھا جاتا ہے۔

نیلام باقاعدہ قانونی شرائط کے تحت جن کی اطلاع تمام متعلق فریقوں کو دی جاتی ہے عمل میں آتا ہے اور اگرچہ نیلام اصولاً ہر قسم کے لواطق کی تیخ کے لیے منعقد ہوتا ہے اور خریدار کو تقریباً ایسے ہی حقوق دیے جاتے ہیں جیسے کہ پارلیمنٹ کا قانون عطا کرتا ہے اور اس طرح خریدار ایسی ساری جائیداد پر قابض ہو جاتا ہے جو سابق مالک

کے ہر فعل اور نا عاقبت اندیشانہ کارروائی کے اثرات مابعد سے پاک ہوتی ہے تاہم یہ امر ضروری سمجھا گیا کہ نہ صرف قدیم شکی زمینداروں اور قبضہ دار کاشتکاروں کے حقوق کو مسترد ہونے سے بچایا جائے بلکہ دیگر مفاد کو بھی جو صوبے کی عام اصلاح و ترقی کے ضمن میں پیدا ہو گئے ہیں محفوظ رکھا جائے۔ اراضی جو اصل بیوں کے ساتھ مقبول شرح لگان برائھی ہوئی تھی یا بیس سال یا اس سے کم مدت تک کاشت کے لیے ٹھیکے پر دی گئی تھیں کئی کر دی گئی۔ قسم اول میں کانیں، باغ، صنعتیں، تالاب، نہریں، عبادت گاہیں اور قبرستان شامل کیے گئے۔ غرض بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ گذشتہ پچاس سال سے زائد مدت میں کوئی بیش قیمت جائیداد محض قانون بقایا و بیع کے نفاذ سے نیلام نہیں ہوئی بلکہ کئی تباہ حال جائیدادیں جن کے کوئی خریدار کھڑے نہ ہوتے تھے برائے نام ایک قلیل قیمت پر حکومت کی طرف سے خرید لی گئیں اور اب ان جائیدادوں کا انتظام جو اصطلاح میں خاص محال، یا ذاتی جائیدادیں کہلاتی ہیں ہر کلکٹر کے فریض کا ایک نمایاں و مخصوص جزو ہے۔ اس قسم کی صورتوں میں حکومت نے زمینداری کے حقوق کے ساتھ ساتھ شاہی حقوق بھی حاصل کر لیے ہیں۔

حکومت کی یہ خرید کردہ جائیدادیں عام طور پر کسی الوداعی اور جاکش شخص کو جو اکثر انگریز ہوتا ہے ٹھیکے پر دی جاتی ہیں اور حال ہی میں تجویز کیا گیا ہے کہ صوبجات نشینی میں اس ذریعے سے جو کل سالانہ آمدنی مالگزاری ہوتی ہے وہ دولاکھ بیس ہزار پونڈ سے بہت زیادہ متجاوز نہیں ہوتی اور یہ رقم تمام صوبے کے دیگر مالکان اراضی کی داخل کردہ مالگزاری کے مقابلے میں بالکل بے حقیقت ہے۔ موضوع زیر بحث کے اس حصے کے متعلق قضیہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بنگال کے قوانین اراضی کا اقتصادی پہلو، جائیدادوں کے حصے بخرے کرنے کے لیے ہندوؤں کے مشترک نظام خاندانی کی روش، آبادی کی ناگزیر ترقی کے ساتھ ساتھ تجارت، ساہوکاری اور اہم کاروبار کے باعث دولت اور سرمائے کی فراوانی نئی نسلوں کو اپنی کمونی ہوئی زمینوں پر قابض ہونے کی خواہش اور تحفظ و اطمینان کا عام احساس جو تقریباً ایک صدی کے مسلسل امن و امان کا نتیجہ ہے یہ تمام امور کم و بیش کارنوالس کے پیش نظر تھے اور وہ انہیں دیکھ کر بہت مسرور ہوتا۔

اس موضوع کے ایک دوسرے حصے کے متعلق حکومت کی اختیار کردہ کارروائی

ایٹلیان نیشن نہ تھی۔ ہندوستان کے تمام صوبوں میں حکمران وقت ہرزمانے میں جاگیریں جو تادیہ مالگزار سے مستثنیٰ رکھی جاتی تھیں برہمنوں اور سچاریوں کو عبادت گاہوں کے لیے بطور اوقاف کے عطا کرتے چلے آئے ہیں اور ایسے لوگوں کو بھی جہوں نے دیوانی یا فوجی حیثیتوں میں قابل قدر خدمات انجام دی ہوں، نیز ہر قسم کے اہل و نااہل منظور اشخاص کو جن میں وزراء، گویے، لویاں، ستورات، حرم، مسخرے، جو قشی اور باورچی تک شامل تھے۔ دارن ہسٹنگز کو ان عطیوں کے وجود کا بخوبی علم تھا اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کارنوالس نے بھی ان حقوق کے جواز کی جن پر وہ جہی تھے جلد تحقیقات کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر بد قسمتی سے کارنوالس سے لے کر ٹنگ تک ہر گورنر بنگال کل ہندوستان کا بھی گورنر جنرل ہوتا تھا اور وہ فتوح و جنگ ہمت کی سربراہی نئے علاقوں میں صلح کاری اور ان میں سے بعض کی حوالگی نیز ایسے قوانین و ضوابط کا نفاذ جو نہایت ضروری اور ہر لحاظ سے مفید سمجھے جاتے تھے ان سب امور میں ہمہ تن مشغول رہتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ مختلف مباحثے ہوتے رہے اور مارکوئٹس آف ہسٹنگز کے دوران حکومت (۱۸۱۸ء) میں ایک خاص قانون بھی باطل و ناجائز پٹنی داریوں کی ضابطی کے متعلق وضع کیا گیا لیکن دس برس بعد تک اس پر کوئی عمل نہ ہو سکا۔

بلاشبہ بنگال بلکہ ہندوستان کے ہر صوبے کے بندوبست کا بنیادی اصول ہے کہ حکومت، اراضی کے ہر ایک ٹکڑے کی پیداوار کے کچھ حصے کی منتحق ہوتی ہے بجز اس صورت کے کہ حکومت مذکور کسی مدت کے لیے یا مستقل یا متناوبہ حقیقت یا سند دے کر جس کی شرائط کی پابندی برطانوی حکومت پر عائد ہوتی تھی اپنے حقوق سے دست بردار نہ ہو جائے چنانچہ اس انتقال حقیقت کی تحقیقات کرنے کے لیے ۱۸۳۲ء میں چند عہدہ دار جو سیشل کیشنر کہلائے مقرر کیے گئے اور بعد ازاں ان کے تحت چند اور افسر موسوم بہ سیشل کیشنر رکھے گئے جن میں سے ہر ایک تحقیقات مذکور کے ضمن میں تین چار چاراضوں پر مامور ہوا ان کے فرائض، معمولی ملکٹروں کے فرائض سے بالکل علیحدہ تھے۔ معافیاں ابتدا میں دو سوچ عنوانوں پر تقسیم کی گئیں۔ اول وہ جو فرمانروا یا شاہشاہ کی طرف سے عطا کی گئیں تھیں اور بادشاہی یا شاہی معافیاں کہلاتی تھیں۔ دوم وہ جو صوبہ داروں، والیسروں، زمینداروں یا عاملوں اور دیگر اعلیٰ عہدہ داروں نے دی ہوں۔ یہ ملکی معافیاں کہلاتی تھیں۔ ان میں

سے بلند پایہ عطیہ آلتغیا یا مہر کلاں کا تھا۔ ایک اور قسم مدد معاش کھلاتی تھی۔ جن مواضع کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ شاہ ایران نے تھمسو کس کو عنایت کیے تھے وہ بھی یقیناً اسی قسم کے تھے۔ علاوہ بریں مختلف دیگر قسمیں تھیں مثلاً دیوتاؤں کے معابد کی معافیاں۔ برہمنوں کی۔ بہتران، شودروں کی۔ اُمیتہ، وہ اراضی جو خیرات میں دی گئی ہو اور برائے نام لگان پر اٹھی ہو۔ پیراں، اور فقیراں، وہ اراضی جو مسلمان دینی بزرگوں یا ان کے مزار اور فقیروں کو عطا کی گئی ہو۔ اسی طرح متعدد دیگر لوگوں کی بھی اراضی معافی تھی۔ دقیق اور تکلیف دہ چحان میں سے بچنے کے لیے یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ تنو بیگے سے کم رقبے کی تمام معافیاں تحقیقات سے مستثنیٰ رکھی جائیں اور بعد کو یہ قرار پایا کہ اس استثنائیں پچاس بیگے سے کم کے قطعات زمین بھی شامل کیے جائیں باوجودیکہ ان میں سے ایک یا زیادہ قطعاً ایک ہی فرمان یا سند کے تحت ہوں اور ان کا مجموعی رقبہ سو بیگے سے بڑھ جاتا ہو۔

لیکن قوانین ضبطی کے باعث جو بے اطمینانی دہی طبقوں میں پیدا ہوئی وہ بہت شدید تھی اور جلد فراموش ہونے والی نہ تھی۔ اس نصف صدی کے دوران میں بہت سی اصلی دستاویزیں تلف ہو چکی تھیں۔ یہ یا تو نمی سے خراب ہو گئی تھیں یا گرم خوردہ تھیں یا آتشزدگی سے برباد ہو گئی تھیں جو ہر بازار میں بہ زمانہ گرہ واقع ہو جایا کرتی ہے اور دو گھڑی میں تمام علاقے کو خاکستر کر ڈالتی ہے۔ لہذا ان تلف شدہ دستاویزوں کی بجائے نئی جعلی دستاویزیں بنانے کی رغبت عام طور پر لوگوں کو ہونے لگی۔

علاوہ بریں جو متعدد معافیاں دراصل مذہبی کاموں، خداترس بزرگوں اور عالموں کی اعانت کے لیے عطا ہوئی تھیں وہ یا تو فروخت ہو چکی تھیں یا دنیوی اغراض میں لگا دی گئی تھیں۔ بعض ایسی تھیں جو مملکتوں کی مانند انقلاب میں آگئی تھیں اور دست بدست کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھیں۔ جس طرح حکومت اپنے خاص حقوق کی طرف سے غفلت برت رہی تھی اسی طرح ہندوستانی قوم بھی حفاظت و اطمینان کے احساس باطل کے ساتھ غافل ہو گئی تھی۔ ہینوں بلکہ برسوں تک اخباروں میں ایک سرگرم مباحثہ ہوتا رہا جس میں حکومت کے طرفداروں اور معافی داروں کے حامیوں دونوں نے اعلیٰ قابلیت و ذہانت کے جوہر دکھائے۔

دورانِ تحقیقات میں حکومت نے حامی بے اطمینانی کو کسی قدر رفع کرنے کے لیے

مختلف رعایتیں کیں چنانچہ جو معافیاں اپنے ابتدائی مقاصد کی بجائے آوری پر منور قائم تھیں یا جن کے متعلق لگان غالب تھا کہ ^{۱۸۵۱ء} یا حصول دیوانی سے قبل کی ہیں یا اگر زمین ثبوت اس امر کا ہم پہنچ گیا کہ سال مذکور کے بعد سے وہ مسلسل طور پر بلا شرکت غیر سے ایک ہی شخص کے قبضے میں ہی ہیں تو ایسی تمام صورتوں میں ان کی مضبوطی پر اصرار نہیں کیا گیا۔ اس تحقیقات کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال میں سرکاری مالگزاری میں بقدر اڑتیس لاکھ سالانہ پیشی ہوئی اور اس تمام کارروائی میں ایک کروڑ بیس لاکھ روپیے صرف ہوئے۔ لیکن چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی کی ایک کثیر تعداد جسے حکومت نے صریح طور پر اپنے دعاوی سے بری رکھا تھا اب بھی زمینداروں کی تشخیص مالگزاری کے لیے وقف تھی۔

چوں کہ اپنے حق معافی کا باقاعدہ ثبوت پیش کرنے کی تمام تر ذمہ داری دعویٰ کاشت کار ہی پر عاید ہوتی تھی اس لیے عدالتوں میں اس قسم کے متعدد حقوق پر باز پرس ہوئی اور جو ناقص ثابت ہوئے وہ تشخیص لگان کے مستوجب قرار دیے گئے۔ باایں ہمہ بنگال بھر میں اب بھی ہر جگہ دیوتار برہمن اور دیگر اقسام معافی کی مثالیں موجود ہیں جو اس سخت آزمائش سے بچ رہی ہیں اور یہاں کی رعایاں ایک قسم کی مغالمت ہو گئی ہے کہ جو کاشتکار اپنے خوش نصیب مالکوں کے تحت اراضی معافی کی کاشت کرتے ہیں وہ معمولی تعلقوں کے اسامیوں سے کم لگان ادا کریں۔ ضبطیوں کے مواقع پر رعایا کے جوش و خروش اور اضطراب سے متنبہ ہو کر حکومت ہند اپنے جدید مقبوضات اور الحاق شدہ علاقہ جات میں اپنے حقوق کے استعمال کے وقت زیادہ مستعدی سے کام لیتی ہے چنانچہ معاملات کے روبرو ہوتے ہی تحقیقات شروع کر دی جاتی ہے جو معقول اصول کے تحت ہوتی ہے اور اس میں مضبوطی کے مقاصد کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں معافی کی میعاد و قین پستوں تک بڑھا کر اس کے اختتام پر نصف شرح لگان عاید کر دی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر صوبے میں اس قسم کی تمام معافیوں کے متعلق جو کسی شاہی خاندان حکمران یا صوبہ دار کی طرف سے عطا ہوئی ہوں یہ شرط منضم رہی ہے کہ وہ سب آئندہ جانشین کی رضا و رغبت پر منحصر رہیں گی۔ اس ضمن میں مناسب اور منصفانہ حکمت عملی یہی ہے کہ محکمہ مال اس وقت جبکہ باقاعدہ بند و بست کیا جائے خواہ وہ تعلقہ داری ہو یا وہ بندی یا رعیت داری ان تمام معافیوں کی جانچ پر تال کرے۔ دونوں کارروائیوں کو علیحدہ علیحدہ عمل میں لانا اور

ارضی معانی کی تحقیقات کو ملتوی رکھنا ہندوستانی رعایا کے نزدیک ایسی غلامی تھی جو ایک ظالم حکمران کے فرمانِ ضابطی کے مراد سمجھی گئی۔

کارنوالس کا مجموعہ قوانین نافذ ہونے کے بعد دیگر انتظامی قواعد کی تفصیل میں بھی اسی قسم کا تساہل برتنا گیا۔ ۱۷۹۳ء اور ۱۸۰۳ء کے قوانین کی بنیاد پر بیس سالہ رجسٹروں کی ترتیب کا اہتمام کیا گیا تھا اور جن کا منشا یہ تھا کہ چاندادوں اور ان کے مالکوں کے تغیر و تبدل کی یادداشت موجود رہے وہ کبھی ٹھیک طور پر نہ رکھے گئے۔ جدید حصہ داروں اور خریداروں کو ان کی مٹی پر چھوڑ دیا گیا کہ خواہ وہ اپنے نام کلکٹر کی فردگان میں درج کرائیں یا نہ کرائیں۔ مقامی عہدہ دار جو قانون گو اور پیٹواری کے نام سے مشہور تھے رفتہ رفتہ معدوم ہو گئے۔ پیٹواری دیہی محاسب ہوتے ہیں جو ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی دیہات کے اعداد و شمار رکھتے ہیں۔ جہاں ایک دوسرے کام کی طرف توجہ کی گئی۔ صوبے کے وسیع رقبے کے باعث پیمائش اراضی نامناسب خیال کی گئی۔ لیکن محالوں یا تعلقوں کی پیمائش تقریباً چالیس سال قبل عہدہ داران مالگزار نے شروع کی تھی اور اس سرسری پیمائش کی جیسا کہ اسے کہا گیا جانچ اور تصحیح افسروں کی ایک دوسری جماعت نے کی جو خاص کر سرکاری اعمال سے ترتیب دی گئی تھی۔ یہ افسر زیادہ فنی ہمارت رکھتے تھے اور ان کے زیر استعمال موزوں تر آلات پیمائش تھے۔ اس طریق کار سے بہت کچھ واقفیت ہم پہنچائی گئی۔ موصوع کی صحیح فہم میں مرتب ہوئیں۔ تعلقوں کے علاحدہ علاحدہ نقشے تیار کیے گئے اور جہاں کہیں ایک ہی گاؤں مختلف تعلقوں میں شامل ہوتا جیسا کہ اکثر ہوا کرتا تھا اور ان کی حدود ایک کو دوسرے سے علاحدہ کرنے کے باعث وہ متفرق حصوں میں منقسم ہوتے وہاں نقشے نسبتاً زیادہ صحیح و واضح اور مفصل بنائے گئے۔ تمام قدرتی اہم مضموعی چیزیں مثلاً تالاب، دریا، غار، زلے، مسجد، مندر، اور سنگ و خشت کی عمارتیں نقشوں میں درج کی گئیں۔

بہت کچھ تجارتی اور زرعی اعداد و شمار بھی جمع کیے گئے اور اس طرح جغرافیائی خصوصیات، دریاؤں کے حالات، مخصوص فصیلیں اور ملک کی دوسری پیداوار، حیوانی اور نباتی زندگی کی تفصیل، لوگوں کے پیشے اور ان کی ذاتیں، خشکی و تری کے موجودہ ذرائع آمد و رفت، خاص خاص تھوک، بیوپاری کی منڈیاں اور مختلف دیگر مقامی خصوصیات، باقاعدہ دائرہ تحقیقات میں لائی گئیں اور ان کی مرودادیں مرتب کر کے شاہی کی گئیں۔

اس تحقیقات کی تکمیل میں بالعموم اس کا لحاظ رکھا گیا کہ کسی کے معقذات سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ اس کا موقع دیا جائے کہ لوگوں کو بلاوجہ اندیشہ پیدا ہو کہ انگریزوں میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہ امر بیان ہو چکا ہے کہ اگر مصارف برداشت کر کے دو مختلف جماعتوں کی وساطت سے اول مخروطی کپاس اور پھر زراویہ میں آلے کے ذریعے اراضی کی پیمائش کرانی ہی تھی تو قرین مصلحت، مفید اور سہل العمل طریقہ یہ ہوتا کہ تحقیقات زیادہ طویل اور اس کے مقاصد زیادہ وسیع کر دیے جاتے۔ تھوڑے سے مزید خرچ کے ساتھ پیمائش کے سلسلے میں مواضع بلکہ قطعات مزارع تک کی مکمل حد بندی مانگاری کے مناسب ترین اصول کے مطابق ہو جاتی۔

لیکن ہندوستان کے دیگر صوبوں کی بہ نسبت جنوبی بنگال میں ایس زیادہ غیر متوقع تبدیلیاں بارش کے موسم میں ندیوں کے زبردست چڑھاؤ سے واقع ہوتی رہتی ہیں چلنے ساتھ مٹی لے رنگ کا سیلاب لایا کرتا ہے۔ ایک عظیم الشان سیلاب قدرتی مزاحم کو چیرتا پھٹتا گاؤں کے گاؤں بہاتا، تعلقوں کا کلی یا جزوی طور پر قلع قمع کرتا اور بڑے بڑے قطعات کو غرقاب کرتا ہوا بالآخر اکتوبر کے مہینے میں ختم ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے ایک زرخیز دریائی زمین چھوڑ جاتا ہے جس پر کوئی مانوس نشان یا حد بندی باقی نہیں رہتی اور حیرت زدہ مالک اراضی اپنے سابق قطعات کی حدود کے متعلق بے نتیجہ قیاس لگانے لگتے ہیں۔ اسی طرح ماہر ترین ملاح بھی اپنی کشتی نئی ندی میں کھیتا اور غیر مانوس گھاٹ پر لگاتا ہے۔ ساتھ ہی سنا یہ کہنا بھی بے محل نہیں ہے کہ بنگال خاص کی تمام آبادی تقریباً ایک صدی سے عدالتی محکموں کے فیصلوں پر کاربند رہنے کی عادی ہو گئی ہے۔ عہدہ داران بندوبست، دیسی تحصیلدار اور سارے قابل تعریف امور تنظیم جن سے دوسرے صوبوں کے باشندے خوب واقف ہیں یہاں کبھی وجود میں نہیں آئے اور اس صورت میں جبکہ درجہ اول کی عدالتوں کی تعداد حال میں بڑھ گئی ہے، جدید اضلاع قائم کیے گئے ہیں اور ذیلی علاقوں کی تشکیل سے مالی اور فوجداری مقدموں کے تصفیے میں زیادہ آسانیاں پیدا کی گئی ہیں تو یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ آیا کارنوالس کے مقاصد بندوبست میں سے بعض بالآخر کامل طور پر حاصل ہو گئے ہیں یا نہیں۔

یہ بات قرین قیاس تھی کہ دوامی بندوبست ایسے بے بنیاد دعووں کی تائید

کرنے اور ناجائز معافیوں کو حق بجانب قرار دینے کے لیے پیش کیا جائے گا جن کو کوئی حکومت روا نہیں رکھ سکتی۔ چنانچہ جدید قسم کے شاہی اور مقامی محصولوں سے بچنے کے لیے بندوبست مذکور کو آڑ بنایا گیا۔ ایک نہایت لائق لفٹنٹ گورنر بنگال نے از روئے تسخّر کہا ہے کہ ایک مرتبہ تحقیقات کے خلاف اس قدر شدید شورش پیدا ہو گئی کہ بجز محکمہ عدالت کے کہیں اور کسی اسمی کا نام تک پوچھا جاتا تو اسے بھی زمینداروں کے حقوق کی پامالی پر محمول کیا جاتا تھا۔ یہ سوال کہ آئندہ زمیندار علاوہ اضافہ مالگزاری کے حکومت کے عاید کردہ دیگر مطالبات محصول کی تکمیل کے ذمہ دار ہیں یا نہیں تقریباً بیس سال قبل وزیر ہند نے بہت سخت مباحثے کے بعد حل کر دیا تھا۔ یہ صاف اور صریح دلیل پیش کی گئی کہ ملک کی شرائط ضمانت صرف مالگزاری سے متعلق ہیں۔ زمیندار ان دیگر محصولوں سے جن کا ادا کرنا رعایا کے ہر فرد پر لازم ہے مستثنیٰ نہیں کیے جاسکتے تھے بجز اس صورت کے کہ بنگال اور دوسرے صوبوں کے ان فرقوں پر جن کے ساتھ بہت کم رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے نامناسب بار ڈالا جائے۔ علاوہ بریں دوا می بندوبست اراضی میں کوئی تبدیلی یا ترمیم ممکن نہ تھی۔ اب تک لوگ اسے اور اس کے باقی کو شکرگزاری کے ساتھ یاد کیا کرتے ہیں۔ اس بندوبست نے برطانوی قوم کو ایسی محکمہ شرائط کا پابند بنا دیا ہے جن سے روگردانی کا خیال کسی ویسے رائے کو نہیں ہو سکتا۔

آٹھواں باب

سفارت پربرا عظم دیورپ کی جانب بڑھانگی۔ مراسلات ہند

کارنوالس کو ہندوستان میں جس آرام کی اکثر تمنا رہتی تھی اور جس کا وہ جائز طور پر مستحق تھا وہ ایک مدت تک اُسے نصیب نہ ہو سکا۔ کیسی (Kaye) کا یہ لکھنا بالکل درست ہے کہ وزارت وقت سابق گورنر جنرل کے متعلق نہ صرف یہ خیال رکھتی تھی کہ اُسے اپنے ملک کی فلاح و بہبود کی غرض سے مشرق میں رہ کر کام کیا گیا تھا بلکہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے وہ مغرب میں بھی بجا آوری خدمات کے قابل ہے۔ ایک انگریزی فوج فیلینڈرس بھیجی جا چکی تھی جو اس ملک کی حفاظت کے لیے آسٹروی، پرشوی اور ولندیزی عساکر کے ساتھ مل کر لڑ رہی تھی۔ ڈیوک آف یارک نے جس کے زیر کمان انگریزی فوج تھی شگرہ (Pichegru) کو شکست دے دی تھی مگر آسٹریوں کو جنرل کلرفیٹ (Clerfait) اور جنرل کائینز (Kaunitz) کی قیادت میں سخت مزاحمت پیش آئی تھی۔

آسٹروی اور پرشوی جنروں میں متحدہ افواج کی تعیناتی کے مسئلے پر بہت زیادہ اختلاف آرا تھا اور ان کے درمیان مفاہمت کرانے اور باہمی حسد و بے اعتمادی رفع کرنے کے لیے کاروائیوں کو ہندوستان سے اُس کی واپسی کے چار مہینے کے اندر سفارت پر فیلینڈرس روانہ کیا گیا تا کہ وہ شہنشاہ آسٹریا کے حضور میں معاملات کی تفصیل بیان کرے۔ اگرچہ اُس کو مصر بچا کوئی معین خدمت یا فوج کی کمان انہیں دی گئی تھی لیکن جلد یہ بات

ظاہر ہو گئی کہ اس کی سفارت کا منشا عملی طور پر ڈیوک آف یارک کو معزول کرنا تھا اور بالآخر کارنوالس کو ضرورت محسوس ہوئی کہ شہزادہ لیغنی ڈیوک موصوف کو ایک عرضداشت بھیجے جا جس میں اُن مقاصد کی تشریح ہو جن کی بنا پر اس نے سفارت قبول کی ہے۔ یہ امر ڈیوک کے لیے قابل تحسین ہے کہ اس نے ایسے نازک موقع پر اس دلیرانہ و منصفانہ اور شرح مراسلت کو جو کارنوالس کی عادات اور مقاصد کے عین مطابق تھی خندہ پیشانی کے ساتھ لبیک کہا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ ریٹ اور ڈنڈاس اس تدبیر کی طرف مائل ہوتے کہ کارنوالس کو سپہ سالاری کا درجہ عطا کر کے اُسے علاساری متحدہ افواج کا کماندار بنادیا جائے مگر اس راہ میں بہت سخت مشکلات درپیش تھیں۔ آسٹروی دریا سے میوز (Meuse) پر ریشوی فوج کا لڑنا پسند نہ کرتے تھے بلکہ وہ مغربی فلیمنڈرس میں اس فوج کی ضرورت سمجھتے تھے اور وادی راہن (Rhine) کو فرانسیسی حملوں کے لیے چھوڑ دینے پر معترض تھے۔ برخلاف اس کے پریشوی جنرل میلنڈورف (Mallendorf) نے اپنی افواج کے فلیمنڈرس میں متعین کیے جانے کی درخواست کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مختلف مجالس مشاورت اور طویل مدت کے بعد کارنوالس کو متحدہ افواج کا سپہ سالار بنانے کی تجویز ترک کر دی گئی اور وہ فلاڈیلفیا وسطی میں انگلستان واپس چلا آیا۔

لیکن اب بھی مجلس وزارت بڑا عظیم دیورپ کی فوجی کارروائیوں کے طریقے کے متعلق اس سے مشورے لیتی رہی۔ کارنوالس نے جنگ میں پیش قدمی اختیار کرنے اور ایک بڑی انگریزی فوج کے برابر کار رکھنے اور ایک قابل و عالی حوصلہ سپہ سالار کے مقرر کرنے کی ضرورت کو تسلیم کر لیا۔ ان اہم اور ضروری امور میں ٹھہک رہنے کے باوجود جن کی وجہ سے انگلستان کا اثر یورپ کے درباروں میں قائم تھا وہ کسی نہ کسی طرح ہندوستان کی خبریں سننے کے لیے وقت نکال لیتا تھا۔ اس کی خانگی زندگی کی جھلکیاں بھی کبھی کبھی ہمیں دکھائی دیتی ہیں چنانچہ اس نے لوئر گروس ویزامٹریٹ میں لارڈ ہرٹ فورڈ کا ایک خوب آراستہ مکان چھ سو اشرفی سالانہ کرائے پر حاصل کیا اور ایک تعلقہ اس ملکیت کے ساتھ جو لارڈ برٹنل کے رہنے سے متصل تھی بارہ ہزار پونڈ میں خریدی۔ دارن پینٹنگن کے مواخذے میں شہادت دینے سے جس کی ملزم نے درخواست کی تھی وہ محض پیادہ کے حملے کے باعث معذور ہا لیکن بعد کو منتظرین نے اس کا بیجا

شہادت قلمبند کر لیا۔

۱۷۹۷ء کے آغاز میں کارنوالس ٹوپ خانے کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا یہ ایک ایسی خدمت تھی جس کے عوض وہ ٹور (Tower) کی قلعہ داری بخوشی قبول کرتا مگر بعد ازاں بہت جلد اس کا تقرر ایکس (Essex) اور ہرٹ فورڈسائر (Hertfordshire) کی افواج کی سپہ سالاری پر ہو گیا اور اس کا مستقر والی (Warley) قرار پایا براعظم یورپ کی اتر حالات کے باعث اس کی سپہ سالاری ایک اہم و ذمہ دارانہ خدمت تھی اور اسی سبب سے اس کے تحت دولفنٹ جنرل اور پانچ میجر جنرل رکھے گئے تھے۔ لیکن ہندوستان کے معاملات برابر اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرتے رہے۔ شور نے اُسے مندییا کی موت نیز شاہی اوکھنپی کی افواج کی حالت سے مطلع کیا۔ اسی طرح جنرل آبر کو می ایک خط میں لکھا ہے کہ اسے شور کی ہدایت پر ایک بغاوت کو فرو کرنا پڑا جو رام پور کے نواب مرحوم کے ایک نوجوان فرزند غلام محمد نے برپا کی تھی کارنوالس نے فرصت پا کر شور کے خط کا جواب لکھا اور ایک دوسرے نامہ نگار کو بھی ایک یادداشت بھیجی جس میں دیسی باشندوں کا احاطوں کی صدر عدالتوں کے زیر اقتدار ہنا شدت کے ساتھ قابل اعتراض قرار دیا چنانچہ تاریخ ہند کے مختلف دوروں میں قدیم صدر عدالت کی عملداری کو ان دیسیوں تک جو احاطے کے شہروں کی حدود سے باہر رہتے تھے وسعت دینے کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں کارنوالس معمول سے زیادہ متجاوز ہو گیا تھا کیونکہ اس نے اس حد تک سفارش کی کہ احاطے کی عدالتوں میں صرف وہی مقدمات فیصل کیے جائیں جن میں فریقین انگریزوں یا کم از کم دیسی نہ ہوں۔ اس کی رائے یہ تھی کہ خاطر خواہ پیش بندی کرنے کے بعد ان عدالتوں کے روبرو دیسی لوگ صرف بطور گواہ کے طلب کیے جائیں۔ لیکن جس بات کا اُسے اندیشہ تھا وہ یہ تھی کہ اس قسم کے مقدمات میں صرف کثیر عاید ہوتا تھا دوسرے یہ کہ ایشانی اقوام کو ایسی عدالتوں کے زیر اقتدار کرنا پڑتا تھا جو اجنبی قوانین کی فیصل کراتی تھیں اور وہ بھی ایسی زبان میں جسے اُس زمانے میں بہت تھوڑے دیسی سمجھ سکتے تھے۔

اس مسئلے پر اور ایسے ہی دیگر مسائل پر نیز اس امر کے متعلق کہ انگریزوں

کی چارہ جوئی کے وقت انہیں دیوانی اور فوجداری مقدموں میں منگامی عدالتوں کا تابع بنایا جائے یا انہیں مختلف اوقات میں مباحثے ہوئے جن سے اینگلو انڈین فرقے میں سخت ہرجاں پیدا ہوا اور یہ شورش برابرجاری رہی حتیٰ کہ لٹلٹھ میں احاطے کی اعلیٰ اور صدر عدالتوں کو باہم ضم کر کے ایک ہی عدالت بنادی گئی جس کا نام عدالت العالیہ رکھا گیا۔ یہ انضمام متوفی لارڈ جیسی فیکس کی قسطلانہ و مدبرانہ اختراع کا نتیجہ تھا لیکن اس بات کا علم دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ خود کارنوالس نے اس عدالتی اقتدار کے مسئلے کے بارے میں پیش بینی کی تھی کہ انگریزی عدالتوں کا اقتدار دیسیوں پر یا مقامی عدالتوں کا ان انگریزوں پر جو اندرون ملک تجارتی کاروبار میں لگے ہوئے ہیں یقیناً آئندہ ایک پرزور بحث و محصل کا باعث ہوگا۔

بہر صورت گذشتہ صدی کے اختتام پر ہندوستان کو ایک ایسی شورش میں مبتلا ہونا تھا جو ہماری عظمت و سیادت کی برقراری کے لیے بہت زیادہ خطرناک تھی اور یہ اندیشہ تھا کہ وہ اس ملک میں ہماری قوت کی بنیاد تک متزلزل کر دے گی۔ کارنوالس نے شاہی اور کمپنی کی افواج کے متعلق چند سوالات تیرہ متنازعہ افسروں کے پاس نشست کرائے تھے جن میں سے اکثر کمپنی کے ملازم تھے۔ اس تحقیقات کی افواہ بلند ہوئی اور ان انگریزوں نے جو ہندوستانی زمینوں میں ملازم تھے غیر کمپنی معلومات کے باعث اس کے متضاد معنی سمجھے۔ تمام افسر ایک جگہ جمع ہوئے۔ اپنے نمائندے مقرر کیے، باہم رازداری کی قسمیں کھائیں اور ایسی تجاویز مرتب کیں جو آئین و نظم کے یکسر منافی تھیں بلکہ صاف الفاظ میں یہ کہ حیرت انگیز طور پر گستاخانہ و باغیانہ روش رکھتی تھیں۔ نمائندوں نے اس پر اصرار کیا کہ شاہی افواج ایک قلیل معین تعداد سے ہرگز بڑھنے نہ پائیں اور ان کے جنرلوں کا تقرر اسٹاف کے عہدوں پر ناجائز قرار دیا جائے اور تمام ترقیاں قدیم الہدیٰ افراد کو دی جائیں اور کوئی معمولی افسر کسی وقت بھی خدمت سپہ سالاری کے لیے منتخب نہ کیا جائے۔

علاوہ بریں دیگر مطالبات بھی تھے جو اسی طرح نازیبا اور خلاف ضابطہ تھے۔ کلکتے میں سر جان شور اس خود سری اور تفرّد کے منظر سے اس قدر گھبرایا کہ اُسے اس امید اور مدد اس سے فوجیں طلب کرنے کی ضرورت ہوئی تاکہ افسروں کو خون

دلا کر سلطع کراہائے اور اس نے لارڈ کیتھ کو تنبیہ کیا کہ جو بحری فوج اس کے زیرِ کمان ہے اس کے کلکتے بلائے جائے گا امکان ہے۔ یقیناً انگلستان میں مجلس وزارت پریشان تھی چنانچہ ڈنڈا نے ایک خوشامدیانہ خط میں کارنوالس سے التجا کی کہ وہ ایک سال کے لیے وطن کی آسائشوں سے دست بردار ہو جائے اور ہندوستان جا کر افسروں کے مطالبات کا تصفیہ کر دے۔ ڈنڈا اس کا یہ خیال درست تھا کہ مذکورہ بالا صورت حال سے تمام برطانوی سلطنت خطرے میں پڑ جائے گی اور اگر کارنوالس خدمتِ مفضہ سے انکار کر دیتا تو وہ تیار تھا کہ خود ہی ہندوستان روانہ ہو جائے۔

لیکن ڈنڈا اس کو کامل یقین تھا کہ کارنوالس کے نام کے محض ذکر پر تمام مشکلات دور ہو جائیں گی چنانچہ کارنوالس نے اپنی روانگی پر حقیقی رضامندی ظاہر کر دی اور حیرانِ راس کے نام بصیغہ راز جو متعدد خطوط اس نے بھیجے ان میں سے ایک میں وہ مختصر لکھا ہے ”پانسپڑ گیا ہے اور مجھے ہندوستان جانا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ تمہارے خانگی حالات مجھے یہ جرات نہیں دلاتے کہ تمہیں اپنے ہمراہ چلنے کے لیے کہ سکوں“ لیکن اس وقت واقعات کا رخ بدل گیا تھا۔ بنگال کے بعض وفادار افسر اپنے نمائندوں کے دعویٰ سے کنارہ کش ہو گئے۔ ادھر جو رعایتیں مجلسِ مگراں اور مجلسِ نظمانے پیش کیں وہ کارنوالس کو قطعی پسند نہ تھیں۔ فی الحقیقت اس نے مجوز احکام میں سے ایک کو ”لا یعنی حکم“ قرار دیا۔ اسی اثنا میں بہ مقام پورٹس ماؤتھ بغاوت رونما ہوئی اور کارنوالس نے بالآخر اگست ۱۸۱۷ء میں اپنی روانگی ہندوستان کا عزم منسوخ کر دیا۔

اس کے بعد وطن سے قریب تر اس کی خدمات کی ضرورت ہوئی۔ یہ ایک ایسی نازک جگہ تھی جہاں کئی مسلم ارباب تدبیر و سیاست جو ہر آزمانی کر کے اپنی شہرت کو داغ لگا چکے تھے اور اس مخصوص زمانے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس جگہ شدید جماعتی اختلاف، تصادمِ اغراض اور سخت و بے باک نکتہ چینی کی وجہ سے جو عمل کے بعد ہی شروع ہو جاتی ہے استقلالِ قوت فیصلہ فراست اور تعمیری تدبیر جیسی ساری صفات کی آزمائش ہوتی ہے۔ یہ خدمت بھی اسی قدر صبر آزمائی جیسے کسی مشن کی غاصب کے مقابلے میں ایک طویل جنگ یا ہندوستانی ملازمت کی اصلاح یا ایک جدید بنیاد پر مالگزاری کا تعین ہوتا ہے۔ لارڈ کیتھن جو آئرلینڈ کا لارڈ لفٹنٹ تھا اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے والا تھا اس لیے

وزارت وقت نے ہتھیہ کر لیا کہ اس کی بجائے لارڈ کارنوالس کو وائسرائے اور سپہ سالار غلط کی حیثیت سے مقرر کیا جائے۔ الحاق سے قبل آئرلینڈ کا جو نظم و نسق تھا یہاں اس کا مختصر تذکرہ بھی اس کتاب کے منشاء سے متباعد ہو گا۔ کارنوالس نے اس بھاری اور ذمہ دارانہ عہدے کو جون ۱۸۰۱ء میں قبول کیا اور مئی ۱۸۰۱ء میں لارڈ ہارڈویک اس کا جانشین ہوا۔ اس سہ سالہ مدت میں آئرلینڈ کا الحاق مکمل ہو گیا۔

آئرلینڈ پر اپنی حکومت کے دوران میں جب کارنوالس ہر قسم کی فکروں، مایوسیوں، مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا تھا اس کے مراسلات ہند کی جانب متوجہ ہونا دلچسپی سے خالی نہیں۔ آئرلینڈ کے وائسرائے نے ہندوستان کی گورنر جنرلی کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ قدرتی طور پر اسے عساکر بنگال کے افسروں کی غداری پر بے انتہا تشویش لاحق ہو گئی تھی چنانچہ سرکش نمائندوں کی پسائی اور مطیع و وفادار افسروں کی فتح یابی کی خبر سننے ہی اس نے یا تو حسب درخواست یا از خود ایک افسر کو جو ہندوستان روانہ ہو رہا تھا اپنے جانشین گورنر جنرل سر جان شور کے نام تعارف کا ایک خط دیا۔ یہ خط مختصر ہے اور یہاں اسے کسی قدر شرح کے ساتھ نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

نو ہائٹ ہال، ۱۰ جون ۱۸۰۱ء

بخدمت جناب سر جان شور رضا

جنابِ مکرم۔

میں اس امر کا خواہاں ہوں کہ کونسل و لابی کا آپ سے تعارف کروائوں جو میری جہت میں لفٹننٹ کونسل ہے۔ یہ ایک خوش فہم اور نیک افسر ہے اور مجھے یقین ہے کہ اپنے طریق کارگزاری سے آپ کی خوشنودی کا مستحق ہو گا۔ اس خط کا حال آر تھر ولزلی تھا جو بعد کو ڈیوک آف ونگٹن ہوا۔ ایک دوسرے افسر کے حقوق پر جس کا نام نہیں بتایا گیا کارنوالس نے کوئی توجہ نہیں کی۔ ڈنڈ اس مجبور کیا گیا کہ وہ مدراس کونسل کی ترکیبیت کے لیے ایک افسر دیوانی کو نامزد کرے جس کے ظاہر و باطن سے کارنوالس بخوبی آگاہ تھا چنانچہ اس کے خیال میں اس افسر پر ایسی

بددیانتی کا الزام لگانا بالکل خلاف مصلحت تھا جس کا ثبوت نہ دیا جاسکے اگرچہ شبہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو۔ لیکن ڈنڈا اس کو ایک خط میں وہ لکھتا ہے کہ ایک مشنبہ سازشی شخص کا تقریر سخت ناموزوں ہے۔ اس وقت بنگال سے بھی زیادہ مدراس کے سارے نظم و نسق میں ایک کامل اصلاح کی ضرورت تھی۔ ایک اور خط پارلیمنٹ کے ایک نوجوان رکن کے متعلق جو غیر سرکاری طور پر ہندوستان جا رہا تھا اس قدر دور اندیشی پر مبنی ہے کہ آج بھی اسی قسم کے حالات میں وہ بکار آمد ہو سکتا ہے۔

وہ لکھتا ہے: ”یونکہ مسٹر..... پارلیمنٹ کے ایک رکن ہیں اس لیے ممکن ہے کہ محکمہ بندوبست کے نوجوان لوگ جو خصوصاً اپنی عمر کے نہایت ابتدائی زمانے میں باہر چلے گئے ہیں اور اسی وجہ سے یورپ کی سیاسیات سے مکاتفہ عواقف نہیں مسٹر موصوف سے رہبری کی توقع رکھیں۔ یقیناً ان کے ذاتی مفاد نیز محکمہ مذکور کے عام عمدہ نظم و نسق پر اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز برا اثر نہیں ڈال سکتی کہ ان کے دلوں میں جماعت بندی اور سراسر حکومت کی مخالفت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ آزادی اور مساوات کا اصول دنیا کے تمام حصوں میں نہایت مضر اور خطرناک سمجھا جاتا ہے لیکن یہ ہندوستان میں بالخصوص کینی کے ملازمین کے لیے بالکل ناموزوں ہے۔ ان ملازمین کی ترقی اور خوش حالی صرف اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اپنے کام سے کام رکھیں اور بالادست افسروں کے احکام کی پوری طرح تعمیل کریں۔“

اپریل ۱۸۷۷ء میں جب کہ الحاق آئرلینڈ کے متعلق شدید ترین مخالفت برپا تھی کارنوالس بنگال واپس نہ جانے پر دل سے پشیمان ہو رہا تھا۔ جولائی میں مارکوئیٹف وزلی کا جو اس وقت لارڈ پارلیمنٹ میں تھا اور جو سر جان شور کا جانشین ہوا تھا اسے ایک خط ملا جس میں مسٹر جیری کے قتل کی تفصیل مندرج تھی جو بنارس میں وزیر عسلی کے حمایتیوں کی آغاز کردہ ایک عام بغاوت کا نتیجہ تھا۔ اس خبر نے اسے مغموم کر دیا لیکن چند ماہ کے بعد ہندوستان کی ایک ڈاک سے اسے بہت خوشی نصیب ہوئی۔ مئی ۱۸۷۷ء میں سر نکائیٹم کی آخری تسخیر کے بعد افسران فوج نے اپنے سابق سپہ سالار اعظم کو جس نے ٹیپو سلطان کے خلاف دوہمیں سر کی تحصیل یا اتفاق آرا ایک سپاسنامہ پیش کرنے کی تجویز کی۔ ان افسروں نے اسے متوفی حکمران کا علم اور ایک مرہٹہ سردار کی تواربطہ تجویز کی۔

نزدی۔ یہ چیزیں موجودہ گورنر بمبئی (۱۸۵۷ء) کے جدا مجد جنرل پیرس نے انگلستان پہنچائیں۔

مدرسہ سے کارنوالس کے قدیم دستِ تنفر کا یہ دوسرا دلچسپ مظاہرہ تھا کہ اس نے اس احاطے کے ساتھ طیار کے الحاق کی تجویز کو ناپسند کیا مگر اس معاملے میں وہ کوئی کارروائی اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ادھر ڈنڈ اس جو مجلس ہند میں ممتاز تھا اپنے خاص علاقے میں کسی قسم کی مداخلت کا متحمل نہ تھا اور خود آئر لینڈ کے متعلق بحث طلب مسائل کی کمی نہ تھی کہ ہندوستان کے جھگڑے بکھڑے سول لیے جاتے۔ اس موقع پر آئر لینڈ کے معاملات زیر بحث سے کنارہ کشی کرتے ہوئے اس بات کا ضمانت کر لیا جاسکتا ہے کہ کارنوالس کی میعادِ امارت ختم ہونے والی ہی تھی کہ مجلسِ وزارت کو دوسری جانب سے ایک فرضی سازش اور قتلِ عمد کے منصوبے کی اطلاع پہنچی۔ کارنوالس نے اس خبر کو بہت مبالغہ آمیز قرار دیا اور ڈیوک آف پورٹ لینڈ سے استدعا کی کہ آئر لینڈ کی حالت کے متعلق جو افواہیں انگلستان میں مشہور کی جاتی ہیں انہیں کچھ تحقیق کے بعد قبول کیا جائے۔ اپنے عہدے سے دست کش ہونے کے وقت کارنوالس کے جو جذبات تھے ان کی صحیح کیفیت ذیل کے اقتباسات سے ظاہر ہوتی ہے :-

”جو مسرت مجھے ایک ایسی خدمت سے سبکدوشی حاصل کرنے پر ہوتی چلتا جس میں لطفِ زندگی کے ہر پہلو کے اعتبار سے سخت ترین تکلیف رہی وہ میرے اس خیال کی بدولت بہت کچھ معتدل ہو جائے گی کہ میں ایک ایسی قوم سے رخصت ہو رہا ہوں جسے میری ذات سے محبت ہے اور جس کی فلاح و بہبود کا سامان روز افزوں مشکلات کے باوجود میں نے کم و بیش ہیا کر دیا تھا“

تین روز کے بعد وہ ایک اور دوست کو لکھتا ہے :-

”آپ میری طبیعت کی افتاد سے اس قدر واقف ہیں کہ یقیناً آپ کو اس خوشی میں شہید نہیں ہو سکتا جو مجھے اپنی خدمت سے دست کشی کے خیال پر حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح آپ یقیناً مایوس گئے کہ جو نامبارک واقعات میری کنارہ کشی کے وقت ظہور پذیر ہو رہے ہیں ان کے متعلق میں زیادہ فکرمند نہیں ہوں لیکن ایک ایسی قوم کے بتلائے مصیبت ہونے کا خیال جس کا طرزِ عمل میری جانب نہایت تشکر آمیز اور عقیدت

رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ تردد کہ برطانوی سلطنت آئر لینڈ کے فسادات کی وجہ سے بالآخر خطے میں پڑ جائے گی ایسی چیزیں ہیں کہ بہرے آئندہ مسرت کی توقعات میں ایک ناگوار آمیزش کا باعث ہوں گی۔

۲۵ مئی کو لارڈ ہارڈوک ڈبلن پہنچ کر کارنوالس کا قایم مقام ہو گیا تھا۔ ۲۸ مئی کو کارنوالس ہولی ہیڈ چلا گیا۔ ۳۰ مئی کو شریوزبری سے وہ لکھتا ہے کہ موسم اور مٹر لیں اس قدر خراب ہیں کہ اس شہر سے دو دن میں لندن کا سفر طے کرنے کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ اسے اپنی حکومت آئر لینڈ کا ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا لہذا انگلستان کو اس کی مراجعت بمنزلہ نجات تھی نہ کہ علامت کا مرانی۔ اس نے آئر لینڈ کی امارت سے سبکدوشی کی خواہش ظاہر کی تھی اور مجلس وزارت نے اس کے الفاظ پر عمل کیا۔ کارنوالس کے انگلستان پہنچنے کے بعد بھی جب آئر لینڈ کے نامہ نگاروں نے ان وعدوں کے ایفا کا جو اس نے کیے تھے مطالبہ کیا اور لارڈ ہارڈوک کے نام سفارشی خطوط کے لیے اسے تنگ کیا تو وہ کلفورڈ چلا گیا اور اپنے بیٹے، بہو اور ان کے دو بچوں کے ساتھ خوش خرم رہنے لگا۔ یہاں اس کا وقت ان خطوط کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا جو محاصل ہند سے متعلق ہوتے تھے اور ان کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ بندوبست دوا می کے نفاذ کے وقت سرکاری یادداشتوں اور کاغذوں میں ان کا ذکر کر لے اعتنائی کے ساتھ کیا گیا۔ ان محاصل دینی دیگر محاصل کا اجرا نہایت دور بینی اور غفلتندی کے ساتھ ہونا چاہیے اور اسے گورنر کی تلون مزاجی پر ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے۔ اس میں جدت آفرینی بڑا نقص ہے اور یہ اس ملک میں بہت خطرناک ہے جو قدیم رسم و رواج کا شدت سے پابند ہے۔ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ کارنوالس کو مشرقی ضلع کی خدمت سپہ سالاری پیش ہوئے پر اس کے آرام میں خلل واقع ہوا۔

کارنوالس اس خدمت پر مصر بھیجے جانے کے حکم کو ترجیح دیتا لیکن جیسا کہ وہ فرض کی بجائے اور ی کے لیے ہمیشہ مستعد رہتا تھا گو کچٹر (Colchester) میں سوامی، مگنا اور مصاحب نہ ہونے کے باوجود اس نے اپنے عہدے کا جائزہ لے لیا۔ اس کے تحت ہنگامی سپاہ کے صرف آٹھ معمولی دستے تھے جن کی مجموعی قوت تقریباً اٹھائیس سو پتھر کلاؤں، اور دو درالوں پر مشتمل تھی۔ ملک کی حفاظت کے متعلق جو خوف و خطر قدرتی طور پر

اُسے لگا ہوا تھا اس میں کسی قدر تخفیف ہو گئی جب کہ اس نے کلکٹن بیچ (Clackton Beach) اور وائلن ٹور (Walton Tower) کے قریب ایک مہر ریزی (Razee) اور جنگی جہازوں کی دو مسلسل قطاریں دیکھیں۔ ”ہمیں صرف اپنی چوٹی دیواروں پر اعتماد کرنا چاہیے، ہم ان سے ساحل سمندر پر ایک قیامت برپا کر دیں گے“ اس خیال آرائی کے بعد وہ بظاہر کسی نا اہل فوجی افسر کے بارے میں طنزاً کہتا ہے ”اگر واقعی ہی ارادہ ہے کہ فلاں شخص کنٹ (Kent) اور سسکس (Sussex) کی حفاظت کرے تو یہ سوال قابل التفات نہیں کہ کسی فوج اس کے زیرِ کمان رکھی جائے“ اگست کے مہینے میں حملے کی عام دہشت کم ہونے لگی مگر کارنوال کو ستمبر کے مہینے میں بھی سرتاپا تردد رہا۔ اُسے صلح کی کوئی امید نہ تھی بلکہ اندیشہ یہ تھا کہ کارنوال مصر میں بہت سے آدمی کام آجائیں گے۔ میجر جنرل اس کو وہ اسی خط میں لکھتا ہے ”تم شکی برا بھلاستان کی حفاظت کے لیے نہایت بے ثباتی سے بے دریغ روپیہ خرچ کر لے رہے ہو آمادہ رہیں گے اور اگر کسی وقت دشمن ہماری چوٹی دیواروں کی نگرانی سنبھال کر بڑھ بچکے تو پھر ہماری بُری گت بنے گی“

کچھ مدت کے بعد اُسے فرانس جانے کے لیے کہا گیا تا کہ وہ صلح امینیر کی شرائط طے کرے اور یہ امید کرتے ہوئے کہ عن قریب وہ اپنے ایک پرانے دوست کے لیے بدلتیتر کا عمدہ ٹکڑا جیسا کہ سوفوک (Suffolk) میں میسر ہو سکتا ہے ہیا کر سکے گا“ اپنی سفارتی ہم پر روانہ ہو گیا۔

نواں باب

صلح ائینہ

جو گفت و شنید ائینہ کی صلح پر ختم ہوئی اس کے اہم مسائل تاریخ فرانس سے متعلق ہیں لیکن ان کا مجمل بیان اس باب میں اس سبب سے پیش کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے معاملات بھی بونا پارٹ کے روبرو اختصار کے ساتھ معرض بحث میں آ رہے ہیں اور ان سے سابق گورنر جنرل کی ایسے سیاست دانوں سے گفتگو کرنے کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے جو اسی قدر عیار اور تیز فہم تھے جس قدر کوئی ہندوستانی فرماں روا ہو سکتا ہے۔ برطانیہ عظمیٰ اپنے بعض نوآباد علاقے واپس لینا چاہتی تھی۔ ابتدائی عہد نامے کے وقت انگریز سفیروں کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ فرانسیسی مصر کا تخلیہ کر دیں۔ اسی طرح او بھی کئی اہم مسائل محتاج بحث تھے مثلاً آئینہ اور رومہ کی ریاستوں کا مسئلہ اور مالٹا کی ایسی جی مہارژین سینٹ جان۔ علاوہ بریں طرفین کے امیران جنگ کی رہائی اور دورانِ حرا میں ان کے مصارفِ خور و نوش کا سوال بھی تفسیر طلب تھا۔ بونا پارٹ صلح کا خواہشمند تھا تاکہ اُسے آئندہ جنگ کے لیے بہتر تیاری کا موقع مل جائے۔ اسی غرض سے اس نے ویدہ ودانتہ کارروائیوں کو لیت و لعل میں ڈالا اور تاخیر کا الزام انگلستان پر رکھا معاہدہ کی صورت و اسلوب کے متعلق اپنی مراسلت میں فاتحانہ و متکبرانہ لہجہ اختیار کیا اور ہر بات

میں حسب عادت دورنگی چال سے کام لیا۔ چونکہ اس کا فیصلہ مشہور ہے اور ہر شخص والے کے لیے مواد موجود ہے اس لیے یہاں گفت و شنید کے صرن ایسے چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے کارنوالس کی فراست اور صلاحیت گفتگو ظاہر ہوتی ہے۔

کارنوالس ڈوور سے ۳ نومبر ۱۸۰۵ء کو علی الصباح روانہ ہوا اور پندرہ گھنٹوں کے طوفانی سفر کے بعد رات کے دس بجے کیلے پہنچا۔ اس کا استقبال پورے اعزاز اکرام کے ساتھ عمل میں آیا اور اُسے فوراً ہی پیرس پہنچا دیا گیا۔ ۸ نومبر کو اس نے تیلیہاں سے ملاقات کی جسے وہ غیر محتاط اور ناقابل اعتبار شخص سمجھتا تھا۔ اس سردار کے قول کے بموجب لونا پارٹ کو انگریز سفیر سے ملنے کا بہت شوق تھا چنانچہ اسی مہینے کی دسویں تاریخ کو سفیر مذکور باریاب ہوا۔ تیلیہاں بھی موجود تھا۔ اس ملاقات کے متعلق ذیل کا بیان اس کے ایک خط موسومہ لارڈ ہائس بری سے مانوڑ ہے :-

لونا پارٹ بدرجہ غایت مراحم خسروانہ سے پیش آیا۔ اس نے خاص طور پر ملک معظم کے متعلق استفسار کیا اور مزاج کا حال پوچھا۔ برطانوی قوم کی بڑے تعظیم انگیز تعریف کی اور کہا کہ جب تک ہم باہم دوست بنے رہیں گے یورپ کے امن وامان میں کوئی خلل واقع نہیں ہو سکتا۔ میں نے عرض کیا کہ انقلاب فرانس کے بعد جو مصائب رونما ہوئیں ان سے ایک عام اضطراب پیدا ہو گیا۔ تمام ہم سایہ اقوام کو ڈر لگا ہوا تھا کہ اس کا اثر ان تک پہنچ جائے گا۔ جب جمیع بنی نوع انسان اور خصوصاً اہل فرانس کی خوشحالی کے لیے آپ کی ذات اپنی موجودہ شان سے جلوہ گر ہوئی تو ہم لوگ آپ کو محض ایک ستورا اور فاتح سمجھتے رہے لیکن جو خوش انتظامی اور امن و سکون اب ملک کو نصیب ہوا ہے اُس سے ہمارے دلوں میں آپ کی سیاست دانی اور قانون سازی کی عظمت متکلم ہو گئی ہے اور آپ ہمیں فرانس کے ساتھ مواصلات کرنے اور تعلقات رکھنے میں کسی قسم کا اندیشہ نہیں رہا۔ شام کے وقت آتشیازی چھوٹی اور شہر میں روشنی ہوئی۔ تماشا کیوں کا جمع ہوا تھا۔ سڑکوں پر سے جب کارنوالس کی سواری گزری تو کلمات تعظیم و توقیر کے سوا اور کسی طرح کی آوازیں نہیں سنی گئیں۔ چند روز کے بعد جب وہ ایک رات کو نایح گھر گیا تو عام گرم جوشی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا۔

لارڈ کارلوائس کو براعظم دیورپ، کے ابتدائی سفروں میں فرانسیسی زبان پر یقیناً اچھا خاصہ عبور حاصل ہو گیا تھا۔ ایک زمانے میں بلاشبہ اُسے توقع تھی کہ کانسل اول کی خدمت میں متعدد مرتبہ باریابی کے مواقع ملیں گے لیکن بعض وجوہ سے یہ صورت پوری طرح ممکن نہیں ہو سکی اور انگریز سفیر کو ساری گفت و شنید کے لیے جوزف بوناپارٹ کے پاس بھیجا گیا جو ایک خوش مزاج شخص تھا مگر زیادہ لائق نہ تھا۔ ان دو مدبوروں نے پیرس میں مجلس مشاورت کا آغاز کیا لیکن بہت جلد انھوں نے ایمنیر کو اپنا مستقر بنالیا۔ کارلوائس، فرانسیسی دار الحکومت سے رخصت ہونے کے قبل کسی تیسرے شخص کی موجودگی کے بغیر ایک بار اور بوناپارٹ سے ہم کلانی کا شرف حاصل کر سکا۔ یہ مکالمہ نصف گھنٹے تک رہا۔ بوناپارٹ کی خواہشات اور خیالات کارلوائس نے ایک اور خط موصومہ لارڈ ہائس بری میں حسب ذیل ظاہر کیے ہیں :-

”گفتگو کے آغاز پر اس نے امن و مصالحت کے متعلق اپنی دلی آرزو کا یقین دلایا اور علانیہ طور پر اس بات کا اظہار کیا کہ ملک فرانس کو اس چیز کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اس کی تجارت بالکل معدوم ہو چکی ہے اور مالی ذرائع بڑی حد تک کم زور ہو چکے ہیں۔ پھر وہ کہنے لگا آپ دیکھیے، میں کوئی بات نہیں چھیانتا ہوں اور دل کھول کے صاف صاف کہہ رہا ہوں، اس کی صرف یہ خواہش تھی کہ صلح نامے کی شرائط کی ترتیب کے وقت ابتدائی دفعات کے مفہوم اور منشا کی پوری پوری پابندی کی جائے اور چونکہ میں موسیو جوزف بوناپارٹ کو ایک انصاف پسند اور صاف گو انسان سمجھتا ہوں اس لیے اس امر پر کتھام معاملات جلد سلجھ جائیں گے اُسے کوئی شبہ نہ ہوا“

اس قابل یادگار ملاقات کا باقی وقت خاص خاص تصنیف طلب مسائل میں صرف ہوا۔ وہ مسائل یہ تھے: فرانسیسی بحری بیڑے کا سینٹ ڈومن گو کی جانب روانہ ہونا اور اس ہم کے خلاف ہمارے اعتراضات سے کانسل اول کو رنج پہنچنا، صوبیجات متحدہ ہالینڈ کے گورنر اور خاندان آرنج کو تاوان دینے کا مسئلہ، شاہ سارڈینیا کے متعلق ایک تجویز اختتام کا معاملہ، جزیرہ مالٹا میں روسی فوج کے داخلے کی عجیب و غریب تجویز جسے بوناپارٹ نے نظر انصاف فرانس و انگلستان کے لیے یکساں طور پر خلل انداز و ضرر رساں سمجھتا تھا، جزیرہ تو باگو کی حوالگی، اسیران جنگ

کی خوراک کے مصافح اور کانسٹبل اول کی یہ خواہش کہ ہندوستانی نواب سے گفت و شنید کر کے پابند بھرتی کے آس پاس چند مربع میل اراضی حاصل کی جائے۔ اس آخری تجویز کے متعلق کارنوالس نے فوراً جواب دیا کہ اس مقام پر کوئی نواب نہیں جس سے اہل فرانس گفتگو کر سکیں اور وہاں اس قسم کی ملکیت کا اضافہ دونوں قوموں کو ضرور برا لگے گا۔ دے گا۔ بونا پارٹ نے جواب دیا، آپ کہتے تشریف لے رہے ہیں، پھر اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ایک دوسرے کے ملک سے خطرناک و شائبہ اشخاص کے اخراج کے لیے آپس میں کوئی معاہدہ ہو سکے تو وہ متحدہ صوبہ جات آئرلینڈ کے باشندوں کو اپنے ملک سے نکال دینے پر بالکل آمادہ۔ اس طرح یہ ملاقات ختم ہوئی۔ بعد ازاں اس گفتگو کا سلسلہ ایمنٹن میں جوزف بونا پارٹ اور کارنوالس کے مابین پھر شروع ہوا اور دسمبر ۱۸۰۱ء سے لے کر جنوری ۱۸۰۲ء تک۔ برابر جاری رہا۔ اس مقام پر مرسلت کے اہم و عجیبہ پہلو سے گریز کرتے ہوئے لارڈ بروم نے ایک دلچسپ خط اپنے والد کے دوست جنرل ہوپ کو لکھا ہے۔ وہ (یعنی لارڈ بروم) صبح کے وقت پیرس کے نظاروں کی سیر میں مشغول رہتا اور شب کو اس کا وقت چالیس چالیس اور پچاس پچاس افراد کے ساتھ ضیافت میں صرف ہوتا تھا۔ ان لوگوں کے ملبوسات عطائوں کے اور عادات و اطوار سفار کوں کے سے تھے۔ اس قسم کے جلسوں میں اس نے خواتین کا ایک انوکھا مجمع دیکھا تھا جس میں تیلیراں کی محبوبہ بھی تھی۔ اس کا نام وہ میڈم گرانڈ بتاتا ہے اور یہ بے شبہ ایم لے گرانڈ کی زوجہ مطلقہ تھی جو کلکتہ کی عدالت میں فلپ فرانسس سے متعلق ایک مشہور و معروف مقدمے میں روشناس ہو چکا تھا۔ ہر اینگلو انڈین جانتا ہے کہ عدالت مذکورہ کا ایک منج اپنے ہم جلسہ چیف جسٹس سیر ایجا ایسی سے جب کہ موخر الذکر نے فرانس پر پچاس ہزار روپیے کا ہرجانہ عاید کیا، تعجب کے ساتھ معاف کر دیا، برادر اپنی اتنے سکے، کہہ کر چلا اٹھا تھا۔

لارڈ بروم کے دل میں مجلس وضع قوانین کے اجلاسوں سے کوئی قابل احترام جذبات پیدا نہ ہوئے۔ کچھ تیلی کا کوئی تماشا اس سے زیادہ مضحکہ خیز نہیں ہو سکتا، ایک شخص عطائی کے لباس میں ملبوس ہو کر نمودار ہوا جس کے متعلق قدرتشہ یہ گمان ہوتا تھا کہ رسی تان کر کرتب دکھانے والا ہے مگر معلوم ہوا کہ وہ باشندہ شہر شہر شہر شہر نامی

وزیر داخلہ ہے۔ یہ شخص جو ایک معمولی دوا فروش کا بیٹا تھا ایک ماہر کیمیا مشہور ہو گیا تھا اور ان لوگوں میں اس کا شمار تھا جنہوں نے اول اول چنندر کی جڑ سے شکر بنانے کے بڑے بڑے کارخانے کھولے تھے۔ پھر گنت و شند کا سلسلہ معمولی طور پر جاری ہوا کارنوالس کا بیان ہے کہ جوزف بونا پارٹ ایندھل کر ایک نہایت خوش فہم، حیا دار اور شریف انسان ثابت ہوا جو سیاسی کارستانیوں سے بالکل پاک تھا اور اپنے تمام کاروبار میں صفائی اور خندہ پیشانی سے کام لیتا تھا۔ لیڈی اسنسر کی اس درخواست پر کہ اس کی چند کالج کی اشیاء اداے محصول روانہ ہو جائیں کارنوالس نے موقع پاکر جواب دیا کہ اگرچہ وہ ہر قسم کی ناجائز ترسیل کا مخالف ہے تاہم یہ خیال رکھے گا کہ واپسی میں اس کے ذاتی سامان کے ساتھ اشیاء مذکور بھی چلی آئیں۔ کرنل ناٹ انگیل نے جو برطانوی سفیر کے ہمراہیوں میں سے تھا اپنے ایک خط بنام راس میں ایمینیر کی صحبتوں کا ایک دلچسپ خاکہ کھینچا ہے۔ اس کے نزدیک ایمینیر میں ذکور کا غالب حصہ بلا مبالغہ بد معاش کہلانے کا متعلق تھا اور اسی مناسبت سے طبقہ انات میں اکثر ان سے بدتر تھیں۔

ان میں جوزف بونا پارٹ سب سے زیادہ نیک تھا اگرچہ اس کے اخلاق بھی شہرینوں کے سے نہ تھے۔ اس کی بیوی ایک کم ظرف پست قد عورت تھی جو محاسن لطیف کے اوقات سے بالکل بے نیاز تھی۔ وہ اپنی شادی سے قبل یکسری مشہور تھی اور ۱۸۴۴ء تک بقید حیات رہی۔ پریفلکٹ یعنی اعلیٰ عہدہ دار انتظامی کے لیے وہی لقب استعمال کیا جاتا تھا جو چارلس سرفیس کے احباب میں سے ایک نے سر ایور کی تصویر کو دیکھ کر اُسے عطا کیا تھا۔ یہ شخص قوم پرست جماعت کا رکن رہا تھا اور اس نے بادشاہ کے قتل کی تائید میں رائے دی تھی۔ کارنوالس حسب توقع ان تمام مقامی سربراہانہ لوگوں سے بہت اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔ ہر منہ میں دو مرتبہ اپنی رسم کلکتہ کے بموجب وہ بڑی بڑی ضیافتیں کرتا تھا اور اگر موسم مانع نہ ہوتا یا اس کی ٹانگوں میں نم ماس کی تکلیف نہ ہوتی جس کی شکایت پہلے ہی ڈبلن سے اس کے بعض خطوط میں ہو چکی تھی تو وہ روزانہ گھوڑے کی سواری کرتا تھا۔

جنوری، فروری اور بیشتر ایام مارچ ۱۸۴۵ء میں شریطہ صلح نامہ ہجوزکی

چھان بین کی گئی اور ان کی تشریح و ترتیب میں بال کی کھال نکالی جاتی رہی حتیٰ کہ کارنوالس کا پیمانہ صبر تقریباً لبریز ہو گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ ”اس قوم سے کیا امید ہو سکتی ہے جو فطری طور پر مغرور اور گستاخ واقع ہوئی ہے دراصل حالیہ یورپ کی تمام طاقتیں اس کے قدموں پر جھک کر گزشتہ افعال کے لیے معافی کی خواہش نگار اور آئندہ نظر عنایت کی امید دار ہو رہی ہیں اور صرف ایک چھوٹا سا جزیرہ باقی رہ گیا ہے لیکن وہ بھی بہ مشکل تمام اور سخت مصائب کے ساتھ کم از کم بڑی جانب سے اپنی حفاظت کا انتظام کر رہا ہے۔“

کئی مرتبہ کارنوالس کو ایک خوں ریز جنگ کے دوبارہ شروع ہو جانے کا خطرہ یا بصورت دیگر اپنے ملک کی ذلت و توہین کا اندیشہ لاحق ہوا۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ دکاش وہ پھر امریکہ کے تاریک جنگلوں میں مقام رسد سے دوہو میل کے فاصلے پر یاد دیا گئے کا ویری کے کنارے ہوتا جاہاں اپنے بھاری توپ خانے کو استعمال کرنے یا اسے دایس لے جانے کے مواقع پیش نہ آتے۔ لیکن یہ تمام مشکلات بالآخر کسی نہ کسی طرح حل ہو گئیں۔ شہزادہ آرنج کی تائید میں تحس و ترا باب عالی (ترکی) کے متعلق شرائط، مالٹا اور پرتگال کی حیثیت کا تئیں اور بعض دیگر مصالح و مراعات سب امور قطعی طور پر طے ہو گئے۔ معاہدہ صلح میل پاگیا اور اعلان صلح پر ۲۵ مارچ ۱۸۱۵ء کو دستخط ہو گئے۔ صلح نامے پر چند روز کے بعد ہیرس کی گئیں۔ ستمبر برس سے زاید مدت کے بعد ایک اور برطانوی مدبر نے جن جذبات کا اظہار کیا تھا تقریباً انہیں کی پیش بینی کے ساتھ کارنوالس کو امید بندھ گئی تھی کہ یہ صلح ملک کے لیے باعث ننگ نہ ہوگی اور اس سے آئندہ حفاظت و سلامتی کی توقع اسی مقول حد تک ہو سکتی ہے جس کی اجازت یورپ کے موجودہ غیر معمولی حالات دے سکتے ہیں۔

”مراسلات کارنوالس“ کا مرتب لکھا ہے کہ جس مینر پر اس صلح نامے کے دستخط ثبت کیے گئے تھے وہ اب بھی امینینر کے دارالبلد میں محفوظ ہے۔ مگرے کے ایک سرے پر سفیروں اور ان کے ساتھیوں کی ایک قد آدم تصویر موجود ہے۔ کارنوالس کی تصویر غیر مشابہ تو نہیں ہے مگر

اس کارنگ پھیکا پڑ گیا ہے۔ تصویر میں عقب کی جانب ایک انگریز انس
فرانسیسی جماعت کے ایک شخص سے گرم جوشی کے ساتھ معانقہ کر رہا ہے۔

دسواں باب

ہندوستان کو مراجعت، حکمت عملی اور وقت

ایمیننٹ سے اپنی واپسی پر کارنوالس نے مسئلہ انتخابات میں دلچسپی کا کچھ سامان دیکھا۔ اس کے خطوط لطیف پیرائے میں سیاسی امور سے متعلق اس زمانے کے انتظامی طریق کار کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ ضلع سفوک کے لیے انتخاب ہونے والا تھا اور یہ امید کرنے کی کافی وجہ تھیں کہ انتخاب میں کامل ترین اتفاق آرا ہو گا۔ اس انتخاب کے معاملے پر نیو مارکٹ کی گٹھ دوز کا سوال غالب آگیا اور نتیجہ اسے تین روز کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ لیکن آئی کے حلقے کے لیے دور کن کے انتخاب کے بارے میں کسی قدر زیادہ جوش و خروش تھا۔ کارنوالس نے احتیاط کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ اس کی جماعت نے نہ تو رشوت دی اور نہ ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے کوئی حلقہ علما زیر اثر آجائے اور یہ کہ خاموش رائے دہندوں کا چار اور ایک کی نسبت سے غلبہ آرا حاصل کیا گیا۔ اس شمار میں وہ لوگ داخل نہیں ہیں جو مملوک الحال تھے یا قحط سالی کے زمانے میں تھخنیف شدہ قسمت پر ماکولات خریدتے تھے۔ الغرض انتخابات اطمینان بخش طور پر اس طرح انجام پذیر ہوئے کہ خاندان کارنوالس کے دو امیدواروں کو نشستیں مل گئیں جن میں سے ہر ایک نے ایک سو چودہ رائیں حاصل کیں اور مخالفین کو صرف پندرہ فی کس ملیں۔

نومبر ۱۸۵۷ء میں کارنوالس لکھتا ہے ”میں اب بھی شکار میں دن بھر کی تسکین برداشت کرنے کے قابل ہوں مگر میرا خیال ہے کہ میں نشانہ اندازی میں ماہر کہلانے کا متقی نہیں ہو سکتا تاہم شکار کے مشغلے میں مجھے دلچسپی رہتی ہے اور اس سے ورزش کی رغبت پیدا ہوتی ہے جسے میں مفید سمجھتا ہوں۔ معاملات ہند کی جانب پھر اس کی توجہ معطوف کی گئی۔ اُس سے اس تجویز کے متعلق مشورہ طلب کیا گیا کہ آیا جو نادان ڈکن کو جس نے صوبہ بنارس میں کامیابی کے ساتھ حکومت کی تھی اور جو اس وقت بمبئی کا گورنر تھا بنگال کی مجلس صلی میں جگہ دے کر اُسے تمام محکمہ مال کا صدر بنادیا جائے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے مخفی طور پر یہ استفسار بھی کیا گیا کہ وہ دوبارہ آئرلینڈ کو بحیثیت سپر سالار اعظم جانا پسند کرے گا یا نہیں۔ اس استفسار کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور نہ سرکاری کاغذات میں اس عہدے کے مکرر پیش ہونے کا کوئی پتہ چلتا ہے۔ اس کے بعد وہ مشہور مضبوط ہاپنر کی صحبت میں بیٹھتا ہوا اور اس طرح چند مہینے گزر گئے۔ لیکن آئندہ وہ سلطنت کی مزید خدمت کرنے پر بالکل آمادہ تھا اور کلغورڈ کی دیہی مصروفیتیں اور مسرتیں بھی اب اُسے گراں معلوم ہونے لگی تھیں۔ بے کار اور بلا مقصد خاموش بیٹھے رہنا اور ہاتھ میں پیٹار کے بغیر اپنے ملک کے خطرات کا مقابلہ کرنے کی فکر میں پڑے رہنا جس کا نتیجہ محض صفر ہوا یہ عمل ایک ایسے شخص کے لیے جس کی سابق زندگی مفید طریقے پر مستعدی میں کٹی ہوئی تھی آئندہ نہ تھا۔ ایک خط مجھے نومبر ۱۸۵۷ء میں وہ کہتا ہے کہ آئرلینڈ کو دوبارہ نہ جانے میں اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ وہاں کی سیاسیات میں دخل نہ ہوتا اور لارڈ لفٹنٹ کے بالکل زیر حکم رہتا مگر واقعات کی رفتار سے اُسے اپنے متعلق ہی گمان لاحق رہا کہ وہ چپ چاپ طاق پر رکھ دیا گیا ہے۔ بالیں ہم لوگ اب بھی ٹورک کائٹیل تصور کر کے متعدد قسم کی درخواستوں سے جن میں بعض یقیناً ہل تھیں اُسے سخت پریشان کرتے رہے اور خود بادشاہ آئرلینڈ کو اس کی واپسی کا خواہاں تھا۔

۱۸۵۷ء کے تقریباً اختتام پر کارنوالس نے لارڈ ولزلی کے سیاسی مسلک ہند کی کامیابی کے بارے میں کچھ تردید کا اظہار کیا جو نتیجے کے اعتبار سے صحیح ثابت نہ ہوا۔ غالباً انہیں خیالات کے باعث اور وزارت یا مجلس نظامیادوں کے اظہار خواہش کی

بنایا وہ ہندوستان کو اپنی مہاجرت کے متعلق سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے لگا کچھ مدت سے مجلس نظام لارڈ ولزلی کی جرأت آمیز خارجی حکمت عملی سے سہمی ہوئی تھی۔ مجلس نگران میں کسبل رے خوف زدہ ہو گیا تھا اور ریٹ پر بھی اس کا اثر ہوا اور اس نے مجلس میں یہ راہ دے دی کہ گورنر جنرل کا طرز عمل غیر دانشمندانہ اور ناجائز ہے۔ پس کسی قدر مزید غور و خوض کے بعد کارنوالس نے دوبارہ گورنر جنرل کی خدمت قبول کرنے کا ہتھیہ کر لیا۔ یہ قرار پایا کہ وہ سر میں مجلس نگران کے صدر سے سیاسیات ہند پر بحث کرے اور جنوب مغرب کی موسمی ہواؤں کے اختتام پر بنگال پہنچ جانے کا انتظام کرے۔ اس وقت اس کی عمر کا سرٹھواں سال شروع ہو رہا تھا۔ موجودہ نسل کے لوگوں کو جو ہندوستان کی آب و ہوا میں صحت و تندرستی کے مواقع کا اندازہ اپنے اپنے قوت کی مناسبت سے کرنے کے عادی ہیں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ کارنوالس کے معاملے میں طبیعوں کی رائے نہ لی گئی۔ پیروں کا آماس اور جسمانی ضعف کا تقاضا کچھ مدت سے صاف ظاہر ہو چکا تھا۔ اس نے خود اس ہم کو دیکھ کر ایک تہورانہ فعل سے تعبیر کیا ہے۔ ہندوستان میں کسی انگریز مدبر نے آج تک اس قدر پیرانہ سالی میں منصب قبول نہیں کیا۔ لارڈ ہارڈنگ اٹھ سال کی عمر میں گورنر جنرل کے عہدے پر فائز ہوا۔ لارڈ لالز بنگال میں اپنی طویل سابق ملازمت دیوانی کے بعد جب چھ سال آرام سے انگلستان میں بسر کر چکا تو چوں سال کی عمر میں ویسٹ لیسٹون ہوا۔ دیگر مدبرین مثلاً ولزلی اور ڈیوڈ ہوزی تو اپنی عمر کے بیسیویں یا پچیسویں سال ہی میں اس خدمت پر مامور ہوئے۔ لیکن کارنوالس کے نزدیک فرض منصبی ہر چیز سے بالاتر تھا۔ اس نے خود اس اعلیٰ عہدے کی خواہش نہیں کی تھی مگر اس سے اپنے میدان سیاست کے ایک رفیق کار اور قدیم مرتبوں یعنی نظام کی متفقہ درخواست کو رد کرتے نہ بن پڑا۔

ڈاکٹر رولک نے جو ہندوستان میں کارنوالس کے عہد سابق میں اس کا طبی مشیر رہ چکا تھا اس مرتبہ بھی اسی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کیں مگر کارنوالس کو خیال ہوا کہ اس کا اپنے طبیب کی ہمدردی میں جہاز سمیڈ و سافری گیٹ پر سفر کرنا مضحکہ خیز ہو گا۔ فی زمانہ ہر ویسرا نے اپنے ساتھی افسر کی حیثیت سے ایک طبیب منتخب تک رکھ چکا ہے بیہنہ جیسے اس کی محبت میں ایک عقیدہ خصوصی، ایک معتمد فوج اور چار

باز زیادہ مصاحب ہوتے ہیں۔ جوں ہی اس کی مجوزہ روانگی کی خبر مشہور ہوئی اس پر فضول اور بھل عرضداشتوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ اگر کمپنی چالیس بڑے بڑے جہاز کرائے پر روانہ کرتی تو ان کے ذریعے روزگار کے ان منشاغی اشخاص کی نصف تعداد بھی نہ جاسکتی۔ کارنوالس نے مشن کے موسم بہار میں انگلستان کو خیر باد کہا اور واپس سے ہوتے ہوئے اسی سال ۲۹ جولائی کو کلکتہ پہنچ گیا۔

مشن کے موسم خزاں میں اس کی ہندوستان سے روانگی کے وقت سے اس ملک میں واقعات حیرت انگیز سرعت کے ساتھ یکے بعد دیگرے رونما ہوتے رہے۔ یہ امر اب تقریباً عام طور پر مسلم ہے کہ اس کے قریبی جانشین کی نرم اور صلح آمیز حکمت عملی جس کا علانیہ مقصد مختلف ہندوستانی ریاستوں کے مابین محض توازن قوت کے ذریعے امن و امان قائم رکھنا تھا اپنے اغراض میں ناکام ہو چکی تھی اور ملک و رفتار زمانہ کے لحاظ سے بے محل تھی۔ دلائی اور اس کے بھائی کی آمد پر سارا ماحول بدل گیا تھا چھ سال کی مدت میں برطانوی افواج جن کے متعلق ایک بھائی مجلس اعلیٰ میں ہدایتیں دیا کرتا تھا اور دوسرا میدان رزم میں انکی رہنمائی کرتا تھا ہر مقام پر منظر و منصور ہوئیں۔ ٹیپو سلطان کا دار الحکومت سرنگوں ہو گیا۔ حیدر آباد کی فرانسیسی پلٹیں برخاست کر دی گئیں اور نظام حیدر آباد کو بجائے رقیب یا نیم حلیف کے ایک وفادار دوست بنالیا گیا۔ مرہٹہ حکومتیں جو سلطنت مغلیہ کی شکست و ریخت کے بعد سر اٹھائی تھیں منتشر کر دی گئیں۔ احاطہ مدراس کی حدود میں وسعت ہوئی۔ ہم نے وہ تمام حصہ حاصل کر لیا جو اب شمال مغربی صوبہ جات ہند کے نام سے مشہور ہے۔ پیشوا ہمارا محکوم ہو گیا۔ ہولکر کے مقابلے میں اٹکن کی تباہی خیر پائی اور ہجرت پور کی ٹخیر میں لیک کی ناکامی جس کا طعنہ مسلسل برسوں تک ہندوستان کے بازاروں میں اور مغربہ پر دازماعتوں کے درمیان میں دیا جاتا رہا یہی وہ ہیں ایسی تھیں جن میں شان و آبرو نصیب نہ ہوئی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ برطانوی ہند کے مالی و فوجی ذرائع پر مصارف کثیر کا بار ڈالے بغیر زبردست اتحاد قائم ہو سکے اور جب ہزیمت اٹھانے کے باوجود سندھیا جیجی کا روائیوں کو از سر نو تازہ کرنے کا خواہشمند تھا اور ہو لکر کبھی مغلوب ہی نہ ہوا تھا تو اس موقع پر کارنوالس وطن (انگلستان) کے احکام ساتھ لیے آدھمکا تاکہ وہ جنگ کی بجائے مصالحت آمیز

گفت و شنید اور سیاسی معاملہ فہمی سے کام لے اور ہندوستان میں اپنی زبردست حکومت کی اس پر عظمت حیثیت کے قیام سے باز آئے جو کپہنی کے لیے سیٹنگز کی پیش گوئی کے بموجب وزلی نے شکوک و تذبذبات کے باوجود حاصل کر لی۔

اپنی آمد کے بعد سب سے پہلا کام جو کارنوالس نے کیا وہ صوبہ جات بالائی کے معاملے کا انتظام تھا۔ لارڈ لیک کو ایک خط میں اس نے متنبہ کیا کہ ہر قسم کی جارحانہ کارروائی اور جدید فوجی نقل و حرکت موقوف کی جائے اور مجلس راز کو مطلع کیا کہ شمالی ہند پہنچنے کے بعد اُسے توقع ہے کہ وہ گفت و شنید کے ذریعے اور کسی طرح کی کسر شان کے بغیر ایک ایسی جنگ کا تصفیہ کر دے گا جس میں بڑی سی بڑی فتح یا ہار کوئی قابل تہذہ منفعت نہیں پہنچا سکتی اور جس کے مصارف کے بارے میں انتہائی مشکلات کا اندیشہ ہے۔ مجلس نظماً کو اس نے وضاحت سے لکھا کہ اُسے مجبوراً چین کو خزانہ لے جانے والے جہاز روک لینے پڑیں گے اور اپنی حکومت کے کاروبار جاری رکھنے کے لیے حکومت مدراس سے پانچ لاکھ روپیے کا مطالبہ کرنا ہو گا۔ اُسے بالاسٹیجاب اس امر کا یقین ہو گیا تھا کہ معاہدات معاونت اصولاً غلط ہیں اور ان سے حکومت ہند پر خواہ مخواہ ویسی حلیفوں اور ریاستوں کا بار پڑتا ہے۔ ہو لکر اور سندھیا کے خلاف معرکہ آرائی سے اُسے کسی فائدے کی توقع نہ تھی کیونکہ اُن کی کوئی ملکیت نہ تھی جو اُن کے قبضے سے نکال لی جاتی۔ اس مسئلے میں اپنے یقین دہانی کی بنا پر اُسے یہ فکر لاحق ہوئی کہ بھرت پور کے جاٹ سردار، چھیری کے راجہ اور گوہڑ کے رانا سے جملہ تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔ موزالڈ کر ریاست کے متعلق بہت کچھ مراسلت ہوئی۔ اس موقع پر کارنوالس کے حافظ اور اس کی حالات و خصائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود اسی کے الفاظ میں اس کے عین مسلک سیاسی کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے جس پر وہ عمل پیرا ہونا چاہتا تھا اور جو اینگلو انڈین مورخین کا کم و بیش ہدفِ ملامت بنا رہا ہے۔ اپنی وفات سے تقریباً دو ہفتے قبل لارڈ لیک کے نام ایک خط میں وہ اپنے مطالب و مقاصد تفصیل سے یوں بیان کرتا ہے۔

- ۱۔ گوالیار اور گوہڑ کے علاقے سندھیا کو واپس دے دیے جائیں۔
- ۲۔ حسب شرایط صلح، مہول پور، باڑی اور راج گری کے اضلاع سندھیا کے

حوالے کیے جائیں اور زمانہ صلح سے ان اضلاع کی آمدنی کا حساب بھی اُسے دیا جائے۔
 مجھے معلوم ہے کہ اسے ہماری بے جارحیت پر محمول نہ کیا جائے گا لیکن
 میں معاہدے کی اس شرط سے بھی باز رہنے پر راضی ہوں جس کی رو سے سندھیا کو
 ان اضلاع میں فوج رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ میرا یہ قصد ایک ایسا امر ہے جو
 میرے خیال میں سرور موصوف کے نہایت پسند خاطر ہوگا۔

۳۔ جسے نگر کے خراج کا جو میری دانست میں سالانہ تین لاکھ روپیے کی رقم
 ہے قطعی طور پر دوبارہ اجراء عمل میں آنا چاہیے۔

۴۔ سندھیا سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ وظیفوں کی منسوخی اور دو آبدیوں کا لبرال
 کی ضبطی کے متعلق حسب قرار و معاہدہ صلح اپنی رضامندی کا اظہار کر دے۔
 ۵۔ سندھیا سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنی پنشن کی بقایا کے بارے میں
 دعوے سے دست بردار ہو جائے۔

۶۔ رزیدنسی کی لوٹ کھسوٹ میں جو سرکاری وغیر سرکاری نقصانات ہوئے
 ہیں ان کی تلافی کا مطالبہ کیا جائے۔

۷۔ گوہڈ کے رانا کے لیے سندھیا سے ٹھہائی تین لاکھ روپیے کی حد تک
 ایک علاقے کا مطالبہ کیا جائے جو میرے نزدیک بہت کافی ہے۔

آگے چل کر وہ کہتا ہے کہ اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ سندھیا کے کوئی ایسی چیز
 حوالے کر دی جائے جس پر قابض رہنے میں کوئی فائدہ ہو اور یہ بھی سندھیا کے دشمنین
 ہونا چاہیے کہ برطانوی حکومت کو ہڈیاں گویا بار بار اس کے حقوق کو تسلیم نہیں کرتی ہماری
 طرف سے ان مقامات کی حوالگی ایک ایسا فعل ہے جس میں قطعاً ہماری کوئی عرض
 مضمر نہیں اور یہ کہ وہ سندھیا کو اپنا حلیف سمجھ کر ہو لکر کے خلافت اس کی جنگی کارروائیوں
 میں شریک ہوا تھا۔ اس نے اس پر بھی آمادگی ظاہر کی کہ برطانوی افواج نے
 ہو لکر کا جو علاقہ فتح کیا ہے وہ اُسے واپس کر دیا جائے۔

پھر وہ اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ برطانوی حکومت کی
 انصاف پسندی اور میانہ روی کے متعلق ویسی ریاستوں کے اس اعتماد کو جو گذشتہ واقعات
 کی بنا پر بہت زیادہ متزلزل ہو چکا ہے اور جو برطانوی مقبوضات کی حفاظت اور امن و امان

کے لیے ضروری ہے دوبارہ قائم کیا جائے۔ بعد ازاں اس نے گوڈ کے رانا کے دعووں کے متعلق تقریباً تین صفحے تحریر کیے ہیں۔ اس سردار کی حیثیت عجیب و غریب تھی اور ایک ہنایت مقبوضہ لیے سے اس کی حالت حسب ذیل بیان کی جاتی ہے: گوڈ کے حاکم سسی امبا جی انگلیا نے ۱۸۱۷ء میں سندھیا کے ساتھ اپنی وفا شعاری کو ترک کر دیا اور اس مفاہمت پر برطانوی افواج سے مل گیا کہ وہ گوالیار کا قلعہ اور بعض اضلاع ان کے حوالے کر دے جن کی نسبت برطانوی حکومت کا قصد تھا کہ رانا کو عطا کیے جائیں۔ اس سے تیس سال قبل وارن ہسٹنگز رانا سے ایک معاہدہ کر چکا تھا اور رانا اور انگریزوں کی متحدہ افواج نے اس زمانے میں گوالیار پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا جسے سابق میں سندھیا لے چکا تھا۔ بعد ازاں اس الزام میں رانا کا ساتھ چھوڑ دیا گیا کہ وہ فریب و دغا کا مرتکب ہوا ہے اور اس کے بعد سندھیا نے گوالیار اور گوڈ پر پھر قبضہ کر لیا۔ موخر الذکر مقام سندھیا کے موجودہ دار الحکومت گوالیار سے تقریباً اٹھائیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جاٹ سرداروں نے اٹھارویں صدی کے شروع میں متعدد دیگر لوگوں کی مانند زمانے کی بد امنی سے فائدہ اٹھا کر وہاں اپنے قدم جما لیے تھے۔

۱۸۱۷ء کی کامیاب ہم کے اختتام پر سندھیا اور گوڈ کی حالت یہ تھی کہ سندھیا معاہدہ سرحدی ارجن گاؤں کی رو سے اپنے زیر دست سرداروں کے بارے میں جن سے برطانوی حکومت معاہدے کر چکی تھی تمام دعاوی سے دست بردار ہونے پر راضی ہو گیا تھا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ گوڈ کا رانا سردار ان موصوف میں سے ایک تھا مگر معاہدہ صلح کی عبارت اور رانا کے حال کے طرز عمل سے گرفت کا موقع پانچ سندھیا نے بحجت پیش کی کہ تحویل بالامعاہدات میں جن کا احترام مجھ پر لازم آتا ہے گوڈ کا رانا شامل نہیں سمجھا جاسکتا کیوں کہ اس کے دعاوی خارج از بحث ہو چکے ہیں اور اس کے علاقہ جاٹ تیس برس سے میرے قبضے میں ہیں۔ اس کا علاوہ جواب یہی ہو سکتا تھا کہ حال کی فتوح اور لارڈ ولزلی کے جد امعاہدات نے جو ۱۸۱۷ء و ۱۸۱۸ء میں رانا کے ساتھ طے پائے تھے ان کی حیثیت بدل دی ہیں اور ہماری سرپرستی میں رانا کے قدیم حقوق و مطالبات پھر قائم کر دیے

ملے ٹرسٹ ایجنسی کے معاہدات جلد چہارم۔

ہیں لیکن کار نو اس پر ملک میر اکال امن کے قیام کی ضرورت کا اتنا گہرا اثر تھا اور انتظام مقبوضات وصول یابی مالگزاری اور تحفظ امن کے متعلق وہ رانا کی نااہلی کا اس درجے قابل تھا اور دیسی حکومت کی ناکامی پر خواہ مخواہ بالتراس برطانوی عملداری قائم کرنے کی مصائب اور خطرات سے اس قدر ہراساں ہوا کہ وہ معاہدے کی اس شرط کو مسترد یا نظر انداز کرنے اور گوڈو گوالیار سندھیا کو واپس دینے پر بالکل آمادہ ہو گیا۔ یہ درست ہے کہ وہ رانا کے اس نقصان کی تلافی کرنا چاہتا تھا چنانچہ کار نو اس کی وفات کے بعد چند ہی ماہ کے اندر اس کے عارضی جانشین سر جان بارو نے رانا کو دھول پور باڑی اور راج گری کے اضلاع کی حکومت عطا کی۔ دریاے جمیل دھول پور اور علاقہ سندھیا کے مابین حد فیصل مقرر ہوا۔ دھول پور کا راجہ کیرت سنگھ راجپوت راجوں میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ یہ بڑی عمر تک زندہ رہا۔ ۱۸۳۷ء میں فوت ہو گیا اور اس کا جانشین ایک بیٹا ہوا جس نے ششما کے خد میں برطانوی مفروین کو پناہ دی اور وفادارانہ روش اختیار کی۔

اس ایک خاص شرط یعنی گوالیار دوبارہ مرہٹوں کے حوالے کرنے پر وقتی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن ولزلی کی حکمت عملی کو کلیتہً اور فوراً پلٹ دینے پر بحث کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ رانا کسی قدیم خاندان کی نمائندگی کا مدعی نہیں ہو سکتا تھا محض ایک زمیندار کی حیثیت سے ترقی کر کے وہ ایک سردار بن گیا تھا اور اسے گوڈو کے نقصان کی تلافی میں دھول پور دے دیا گیا تھا۔ سندھیا کے افسروں کو جو وظیفے حکومت کی طرف سے ادا ہوتے تھے اور جن کی مقدار پندرہ لاکھ روپیے تھی گوالیار کی حوالگی کے بعد وہ سب موقوف کر دیے گئے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ دیگر رعایتوں سے کام لیا گیا جو مرہٹوں کے حق میں بہت مفید تھیں۔ ان کی تفصیل مندرج ذیل اجمالی خاکے سے بخوبی معلوم ہو جائے گی جو سرسی ایچسن کے معاہدات و اقرار نامہ جات سے ماخوذ ہے۔

۲۲۔ نومبر ۱۸۱۷ء کو ایک صلح نامہ مکمل ہوا جس سے معاہدہ سر جی راجن گاؤں کی توثیق ہو گئی بجز ان ترمیمات کے جو آئندہ معاہدہ ہذا کی رو سے کی جائیں گے گوالیار اور گوڈو سندھیا کے حوالے کیے گئے۔ سالانہ پندرہ لاکھ کے وظایف جو برطانوی حکومت سندھیا کے افسروں کو دیتی تھی منسوخ ہو گئے۔ دریاے جمیل کو سندھیا کے علاقے کی

شمالی سرحد قرار دیا گیا۔ ریاست ہند کی اورچمل کے شمال اور کوٹا کے مشرق کی ساری ریاستوں سے خراج کی وصولیابی کے متعلق سندھیا کے جو حقوق تھے وہ سب کے سب مسترد ہو گئے۔ برطانوی اس شرط کے پابند بنائے گئے کہ وہ اوڈے پور، جودپور اور کوٹا سے یا دیگر سرداران مالوہ و میواڑ سے جو سندھیا کے معاون ہیں معاہدات کرنے سے باز رہیں اور ان کے متعلق سندھیا کے انتظامات میں مداخلت نہ کریں۔ علاوہ بریں برطانوی حکومت کی جانب سے سندھیا کو سالانہ چار لاکھ کی پنشن، اس کی بیوی بیٹھنہ بائی کو دو لاکھ کی اور بیٹی جننا بائی کو ایک لاکھ کی جائیداد عطا کی گئی۔

کارنوالس کی شخصیت اس کے حادثات و اطوار اور مقاصد و اصلاحات داخلی کی خواہ کنہی ہی تعریف کی جائے لیکن یہ ناممکن ہے کہ اس کی خارجی حکمت عملی کو مذموم نہ قرار دیا جائے جسے اس نے مرتب کیا اور جس کی تکمیل اس کے جانشین نے کی۔ سندھیا ہماری طرف سے چشم پوشی اور منت پذیری کا خاص طور پر مستحق نہ تھا۔ وہ ہماری افواج سے دیدہ و دانستہ شکست کھاتا کہ ہمارے علانیہ و خفیہ دشمنوں سے ساز باز کرتا رہا۔ مرہٹوں کی دست برد کا نشانہ بننے کے لیے غیور راجپوت راجوں کو چھوڑ دینا ایک ایسا فعل تھا جس پر لارڈ لیک نے لعن طعن کی اور جو برطانوی عظمت کے شایان شان نہ تھا۔ اسی طرح ہولکر کے ساتھ رعایتیں جو ہمارے کسی نیک سلوک کا مستحق نہ تھا اس کی ہوس غارت گری کے بڑھانے اور ہمارے خلاف توہین آمیز اور انتقامانہ روش اختیار کرنے میں مدد ہوئی۔ ۱۸۱۷ء کی حکمت عملی کا محصل یہ تھا کہ ”آئندہ کئی سال تک ہم نے اپنی حدود سے باہر تمام ہندوستان کو ہولناک فتنہ و فساد آزادانہ لوٹ مار اور خوفناک تباہی کا منظر بننے کے لیے چھوڑ دیا حتیٰ کہ یہی آفات خود ہماری پاک اور محفوظ حدود پر نازل ہوئیں اور ان کی وجہ سے ہماری حکومت ایک گراں اور پھنسل جگ میں مبتلا ہو گئی۔ اس کا نتیجہ بالآخر وہی ہوا جس کے قبول کرنے سے ہم اپنی نٹ کھٹی کے باعث اتنے زمانے تک انکار کرتے رہے یعنی یہ کہ ہندوستان کے تمام سرداروں اور ان کی ریاستوں پر اپنی سیاست کا اعلان کیا جائے۔“

اس حکمت عملی پر مورخین اور نقادان فن ہی معترض نہیں ہیں بلکہ مدبرین اور ماہرین جنگ و سیاست مثلاً مل اور اس کا مبصر ایچ، ایچ، کولن، تھارنٹن لارڈ لیک اور سر جان میلکم سب اس کی مخالفت میں ہم زبان ہیں۔ اس کے منظر رساں نتائج ظہور پذیر ہو گئے اور گم شدہ اقتدار کی تلافی دس برس تک نہ ہو سکی اور جب تک ایک گراں اور طویل جنگ کا خاتمہ نہ ہو لیا حکومت ہند کو وہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی جو ہندوستان سے ولزلی کی روانگی کے وقت اُسے نصیب تھی۔ اس کمزور اور نامبارک حکمت عملی کا الزام ایک طرف کارولاس اور بار بار دو دوسری طرف مجلس نظر اور مجلس نگران کے مابین تقسیم ہونا چاہیے۔

اب خاتمے کا وقت نزدیک تھا۔ گورنر جنرل نے ۳۰ جولائی کو اپنے عہدے کا جائزہ لیا تھا۔ مارکویس ولزلی ہندوستان سے ۲۹ اگست تک رخصت نہ ہوا تاکہ دونوں مدبرین کو تبدیل خیالات کا کچھ موقع مل جائے اور تمام موجودہ و آئندہ طرز حکومت پر بحث ہو سکے۔ ۸ اگست کو کارولاس بارک پور میں تھا اور تقریباً دو مہینے تک اس کی سرکاری نشستریا گئے گنگا کی دھار کے مقابلے میں جو بوجہ کثرت بارش طوفان خیز ہو گئی تھی صوبہ جات بالائی کی طرف آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ اس تمام مدت میں وہ بلا ناخنہ سرکاری کاغذات لکھنا یا لکھنا اتار رہا تھا۔ اس کی تحریرات کے اصول پر خواہ کیسے ہی اعتراضات وارد کیے جائیں لیکن اسلوب بیان میں اس کی دماغی کمزوری کی ایک علامت بھی نہیں پائی جاسکتی۔ اس کے نقطہ نظر سے معاملات کو دیکھا جائے تو اس کے اقوال اور دلائل اور بھی صاف اور بدیہی نظر آتی ہیں۔ یہ امید کی گئی تھی کہ وریا کی ہوا اکثر تپ یا بیچش کے ہندوستانی مریض افسروں کے لیے جان بخش ثابت ہوئی تھی اس کے لیے بھی تندرستی اور چستی پیدا کرنے کا باعث ہوگی مگر اب صحت کی توقع بعد از وقت تھی۔ اس کا آخری سرکاری مہ اسلہ ۲۳ ستمبر کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد میں متعددین اور احباب کے خطوط پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ ۲۵ ستمبر کو اس نے کسی قدر سنبھالا لیا۔ ۲۹ ستمبر کو اُسے کشتی پر سے اتار کر غازی پور کے ایک مکان میں رکھا گیا۔ ۵ اکتوبر کو اسی مقام پر وہ جاں بحق تسلیم ہوا۔

کلکتے کے باشندوں اور ہندوستان کے مختلف حصوں کی دیگر رعایا کو بہت

سخت ملال ہوا۔ ایک جلسے میں جو کلکتے کے ناظم ضلع نے ۲۹ اکتوبر کو منعقد کیا یہ طے پایا کہ عوام کی جانب سے اس کے محاسن کا اعتراف کیا جائے اور اس کی ایک یادگار قایم کی جائے۔ ویسی باشندوں نے اسی جلسے کے صدر کی خدمت میں ایک عرضداشت روانہ کی جس میں انہوں نے مرحوم کی انصاف پسند اور باوقار حکومت پر اپنے جذبات امتنان و شکرگزاری کا اظہار کیا اور یہ بھی لکھا کہ وہ اس کو اپنا مربی اور محسن سمجھتے تھے۔ اس جلسے کی منظور شدہ قراردادوں کی نقیصہ مدراس بمبئی سیلون پینانگ اور فورٹ مارل برو بھی گئیں۔ چند سے طلب کیے گئے اور ایک کمیٹی مرتب ہوئی۔ مدراس میں گورنر لارڈ ولیم بنتنک کے حکم سے ۹ نومبر کو نماز جنازہ ادا کی گئی۔ خطبے کے لیے توریت قدیم کی جلد دوم کے پنتیسویں باب کی چوبیسویں آیت منتخب ہوئی جو یوں شروع ہوتی ہے ”تمام جووی اور بیت المقدس نے یسوع کا ماتم کیا۔“ کلکتہ ٹرسٹ کے ایک نامہ نگار نے اس کی یاد میں چند آیات لکھیں جن کی تہنید کے طور پر عیسیٰ مسیح کی نظم اگر کی گولا کا مشہور و محل مقبول پیش کیا جو یہ تھا: ”اس کی زندگی کا خاتمہ نہ صرف ہمارے لیے اندوہ گیس اور اجاب کے لیے درد انگیز تھا بلکہ اجنبیوں اور ان لوگوں کے لیے بھی جن سے اُس کی جان بچان نہ تھی وہ ایک رنج و الم کی بات تھی۔“ بمبئی میں ۷ نومبر کو جیسا کہ کہا جاتا ہے ریورنڈ این اوڈ نے ایک فصیح و بلیغ اور مناسب وقت خطبہ پڑھا جس سے قبل ایک ایسے نامی گیت کے ساتھ نماز ادا کی گئی جو ذوقِ سلیم حُسنِ انتخاب اور طرزِ ادا کے اعتبار سے ہندوستان میں اس قسم کی تمام مساعی سے بالاتر تھا۔ منتخبہ سورۃ جو بلحاظ موقع غالباً زیادہ چسپاں نہ تھی مکابین کی پہلی جلد کے نوں باب کی یہ اکیسویں آیت تھی ”وہ بہادر کیونکر تلف ہو جس نے اسرائیل کو نجات دلائی“ کارنوالس غازی پور میں مدفون ہے۔ اس کا مقبرہ ایک مدور نیم بولٹائی شکل کا بتلایا جاتا ہے جس کے ساتھ فلاکس من کا تیار کردہ سنگ مرمر کا ایک محراب نصب ہے۔ ایک اور مجسمہ کلکتے کے دارالبلدی میں لگا ہے اور اسی شہر کے ایوانِ حکومت کے دارالجلس کی دیوار پر ایک خوش مذاق آدم تصویر آویزاں ہے۔ کارنوالس سرکاری پشتاک میں ملبوس ہے اور اس کے ساتھ کلایو وارن مسٹنگز رخملی کوٹ اور بر جس زیب تن کیے ہوئے، لارڈ ولزلی اور لارڈ ڈنٹو (ہاتھ میں لیٹا ہوا کاغذ لیے ہوئے) موجود ہے۔

اور ان سب کے پیچھے سٹر آدم ہے جس نے مارکٹس میں ٹنگن کی روانگی اور لارڈ اہمرسٹ کی آمد کے درمیان وقفے میں جے ایس، بلنگھم کو قانون نظارت مطابح کی خلاف ورزی میں کسی جرم کی پاداش کے طور پر ملک سے خارج کر دیا تھا۔ دارالہلہ میں کارنوالس کا تجسمہ لیکن خود کے ہاتھ کا ہے۔ یہ اس سنگ تراش کی بہترین ساعی میں شمار کیے جانے کے قابل نہیں ہے اور ایک قدیم رومی کی سی پوشاک گوزمانے کے مذاق کے موافق ہوگو رنر جنرل پر زیب نہیں دیتی ہے۔ مجسمے کے پائیں جانب دو نسائی شکلیں آئینے اور سانپ کے ساتھ بتائی گئی ہیں جو انصاف اور صداقت کی علامتیں ہیں اور کسی خاص زمانے یا ملک سے تعلق نہیں رکھتی ہیں۔ ایک سینگ کی شکل سے ہر قسم کی ہندوستانی نباتات و فواکہ مثلاً انٹاس، شریفہ، آم، پیلچی، ہندوستانی اناج اور دھان کی بالیاں بلند ہوتی ہوئی دکھائی گئی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہماری نظر شیر کی کھال، لاشی اور تیروں کے دستے پر پڑتی ہے۔ یہ صنایع لارڈ ولیم بلنگ کے کانسی کے مجسمے سے کم درجے کی ہے جو اسی دارالہلہ کے سامنے ایک کشادہ مقام پر نصب ہے اور فولے (Foley) کے تراشیدہ لارڈ ہارڈنگ کے شاندار اسپنشین انجھے کے مقابلے میں تو یہ بالکل ہیچ ہے۔

متعدد مورخین نے کارنوالس کے عادات و اطوار کا خاکہ کینچا ہے اور بالعموم بے انصافی برتی ہے۔ تحاررین کی تاریخ برطانوی ہند میں اس کی دماغی قابلیت شدت کے ساتھ عاویانہ اور غیر اہم بیان کی گئی ہے۔ اس کو جدت اور زود فہمی سے قطعاً مبرا اور اپنے زمانے کے تعصبات، عقاید اور جذبات کا حامی گردانا گیا ہے۔ اس موزخ کا یہ بھی بیان ہے کہ اگرچہ اس نے اپنی زندگی میں غیر معمولی شہرت حاصل کی لیکن یہ غیر فطری نام نمود جلد معدوم ہو گئی۔

بل باوجودیکہ دوامی بندوبست کی فیاضانہ مصلحت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اس کی تکیل میں کسی قدر تعصب کو بھی دخل تھا اور یورپ کے طریق پر قیام اثر افیہ کا منصوبہ وہ کارنوالس سے منسوب کرتا ہے جو ایک امیر کبیر تھا جس کسی نے ان شاہ میر کی سرکاری اور خانگی زندگی کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے جو انگلستان کی دو عظیم الشان سیاسی جماعتوں سے منتخب ہوئے اور ہندوستان میں بہت نازک

قعوں پر حکومت کر چکے ہیں وہ ہرگز کارنوالس کو ولزی اور ڈلہوزی کے برابر جگہ نہ دیں گے اور نہ اسے لیاقت، ہمت اور تہمت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس ملازم کے مقابلے میں پیش کرے گا جو ایک محرز کی حیثیت سے ترقی پا کر گورنر جنرل بن گیا اور جیسے ایک حربہ نعام نہ دیا گیا۔ بالی ہمہ کارنوالس کے مزاج میں کوئی بات عاقلانہ نہ تھی اور اگر چند امور اس نے اپنے زمانے کے عقاید پر متوجہ ہو کر عمل بھی کیا تو بعض اور باتوں میں وہ اس سے کہیں آگے نکل گیا ہے۔ علاوہ بریں عہد سے یا ملازمت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے خلاف اس کی نفرت، کمپنی کے ملازمین کو جنہیں اس نے تاجروں کی حیثیت سے نکال کر حکام وقت بنادیا رشوت ستانی اور بددیانتی کی رغبت سے بے نیاز روینے کے متعلق اس کا عزم بالجرم، دیسی اقوام کے مفاد و حقوق کی حفاظت کے لیے اس کا تردد اس کی اختراعی قابلیت اور غیر متزلزل عزیمت یہ سب ایسی صفات ہیں جن کی بدولت وہ بعض اُن اہم بالشان ہستیوں کو مقابلے کی دعوت دے سکتا ہے جنہوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے۔

طبقہ امر کی حمایت میں اس کے متعصبانہ خیالات (اگر انہیں قرین قیاس سے نہ بھی لیا جائے) مبنی برانصاف تھے اس لیے کہ وہ اس کے منصب اور مقاصد کے ساتھ مناسبت رکھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی مدبّر جو اپنی محکوم اقوام کے بات کو کامل طور پر سمجھنے اور حل طلب مسائل کے سلجھانے کا مدعی ہو سکتا ہے اس قسم کے تعصبات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کی اقوام کے مختلف مذاہب، جمہوریت کی شان کا ثنائیہ تک نہیں۔ اس کی قدیم ترین روایات سے لے کر ماضی حال کی تاریخ تک مختلف قسم کے حقوق قایم ہوئے رہے ہیں۔ یہاں کے فرقے ان و شوکت کے پرستار ہیں اور علانیہ لامساوات پر راضی برضا ہو جاتے ہیں جس کے خلاف ہر صاحب عقل و ہمت کھڑا ہونے کی توقع کر سکتا ہے۔ یہ تو بطور ایک ہی امر کے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ دیسیوں کا عام رجحان قوم کی درجہ دار اور طبقہ دار رقی کی تائید میں ہے اور وہ مخصوص مراعات و مستثنیات کے حامی ہیں حالانکہ ان کے ساتھ ساتھ غیر جانب دارانہ انصاف، مستقل اعتماد اور پائیدار دیانت داری بھی قدر کی جاتی ہے۔ مختلف جتنے اور برادر یاں، تاجروں کی انجمنیں، ہمیشہ

جماعتوں کے درمیان بھائی چارہ یہ سب چیزیں جمہوریت کی منظر نہیں ہیں بلکہ انہیں محض عید یہ کہا جاسکتا ہے اور ذات پات اپنے بے شمار امتیازات کے ساتھ قومی عزت کی علامت سمجھی جاتی ہے نہ کہ طوق ذلت۔

غالباً کارولاس کی بہترین تعریف یہ ہو سکتی ہے کہ اُسے ایک مدبّر کہا جائے جس پر وزارت وقت ہمیشہ اعتماد کر سکتی تھی۔ اس کی حُب وطن انتظامی معاملات پر توجہ، سلطنت کی جانب اس کی فرض شناسی یہ وہ خوبیاں تھیں جن کا انتہائی نشوونما ولنگٹن میں ہوا وہ ایک ایسا مدبّر تھا جس نے ایک بڑی سلطنت کے دیوانی نظم و نسق کی اصلاح کر کے از سر نو اسے ترتیب دیا، جس نے ایک مجموعہ قوانین شائع کیا جو آئندہ زیادہ تجربہ کار قانون سازوں کے لیے رہنمائی کا باعث ہوا، جس نے آئرلینڈ کا الحاق باوجود علانیہ دشمنوں اور نا عاقبت اندیش دوستوں کی مزاحمت کے تکمیل کو پہنچایا، جس نے ایک مطلق العنان جنگجو کو ایک ایسے صلح نامے پر راغب کیا جس میں ہر قسم پر مکر و فریب کے جال میں پھنس جانے کا اندیشہ لاحق تھا اور جو ایسے محاسن کا حامل تھا جن کی بنا پر اس کے اکثر الزاموں کی اہمیت کا زایل ہو جانا لازمی تھا۔ علاوہ، بریں اُس نے متعدد ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے جنہیں اُس کے متعلق رائے قایم کرتے وقت ملحوظ رکھنا چاہیے۔

کارولاس کے خیالات اور جذبات کا اندازہ اس کی یادداشتوں، سرکاری مراسلوں نیز اس کے خانگی خطوں سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ اُس کی تحریریں ولزلی اور ڈیوڈ کی طرح نہیں ہیں جو استدلال کی پائیداری، مسلسل فصاحت و بلاغت کی جلوہ ریزی اور نتائج کے اعتبار سے وسعت اور دور رسى میں ممتاز ہوں بلکہ وہ خوش فہمی اور سلامت روی سے معمور ہیں اور مشکل و پیچیدہ مسائل پر اس کی تیز فہمی سے صاف متبرّح ہے کہ وہ اُن جدید امور کے اہم ترین پہلوؤں کو بھی سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا جن کے متعلق تیار ہونے میں اُسے پارلیمنٹ یا سیدان رزم کے سابق علم اور تجربے سے کوئی مدد نہ مل سکتی تھی۔ مزید برآں یہ کہ اس کی تمام عمر تقریباً مسلسل طور پر خدمتِ گزاری اور فرائض کی انجام دہی میں صرف ہوئی۔ دیگر مدبّرین نے جو اس سے پیتر یا بعد کو ہندوستان میں اسی عہدے پر فائز ہوئے وطن واپس جانے

پریسیاسات میں نسبت بہت کم حصہ لیا۔ بعض تو اکیلینز (Achilles) کی طرح بہت جلد ندرِ اجل ہو گئے یا بتدریج ایسی ادبار کے شکار ہو گئے جس نے ٹائیٹونس (Tithonus) کی قوت اور ہمت کو رفتہ رفتہ زائل کر دیا تھا۔ لیکن کارنوالس کو بہت ہی کم بلکہ قطعاً آرام نصیب نہ ہوا۔ امریکہ سے براعظمِ یورپ تک، انگلستان سے ہندوستان تک، ہندوستان سے آئرلینڈ اور پھر وہاں سے ہندوستان یعنی موت کے منہ میں پہنچنے کے وقت تک اس کا یہ تمام زمانہ ادائے فرائض اور نفس کشی میں بسر ہوا۔ اس ضمن میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی خانگی زندگی قابلِ قدر اور بے عیب تھی۔ اقارب و حباب کے نام اس کے خطوط سے انتہائی مودت اور مروت ظاہر ہوتی ہے اور یہ ایک پُرانا قول ”آپ فوراً یقین کریں گے کہ وہ ایک نیک انسان تھا اور بخوشی یہ بھی تسلیم کریں گے کہ اس کی شخصیت بلند پایہ تھی“ اس کے حال پر صادق آتا ہے۔

کارنوالس کا خاندان نسلِ ذکور کی طرف سے معدوم ہو چکا ہے۔ گورز جنرل کا بیٹا وائیکونٹ بروم جس کا ذکر مسلات میں آچکا ہے، مارکوئس ثانی کی حیثیت سے اپنے باپ کا جانشین ہوا اور ۱۸۳۲ء میں بغیر اولاد زینہ چھوڑے وفات پا گیا۔ اس کی بہن لیڈی میری کارنوالس نے ۱۸۱۷ء میں مارک سنگلٹن سے شادی کی جو اس وقت گارڈ کا ایک افسر تھا۔ مارکوئس ثانی کی وفات پر ارل کا خطاب لیچ فیلڈ کے اُسقف اعظم کی طرف منتقل ہو گیا اور اس کے بعد اس کے بیٹے جیمس نو دیا گیا۔ ۱۸۵۲ء میں اس کی وفات پر یہ خطاب ساقط ہو گیا لیکن کارنوالس کی نسل اب بھی حسب ذیل خاندانوں میں پائی جاتی ہے۔

مارکوئس ثانی کی بڑی بیٹی لارڈ برے بروک (Braybrooke) ثالث کے ساتھ بیاہی گئی۔ اس رشتہ ازدواج کے نوہالوں میں سے دو جنگِ کریمیا میں کام آئے ایک بالکلادوا (Balaclava) پر اور دوسرا انکیرمان (Inkerman) میں موجود امیر یعنی لارڈ برے بروک خاس، گورز جنرل کا پر نواسا ہے۔ ایک اور سرسبزند چارلس کارنوالس براس جو جنگِ کریمیا میں فوت ہوا لیڈی میری راس کے نسبی سلسلے میں مارکوئس ثانی کا نواسا تھا۔ مارکوئس موصوف کی دوسری دختر لیڈی میما

کی شادی ارل سینٹ جرین ثالث سے ہوئی۔ اس شادی کی اولاد سے ایک بیٹا
کپتان ایٹ (Eliot) جنگ آکراٹان میں مارا گیا۔ موجودہ ارل سینٹ جرین اور آرنزبل
 چارلس ایٹ اسی رشتے کے دو فرد تاحال زندہ ہیں۔ جو لوگ جوہر نسبی اور شرف بانی
 تھے معتقد رہنے سے ابھی تک باز نہیں آئے ہیں وہ یہ معلوم کر کے مسرور ہوں گے
 کہ تمام ہندوستان کی خوش انتظامی کے بانی کی نسل کلینہ فنا نہیں ہوئی ہے۔

